مطالعہ افکارِ مغرب
دوم

مغربی تہذیب کا اساسی نظام اور اس کی استعماری توسیع

سرمایہ دارانہ نظام

ایک تعارف

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

کتاب محل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مطالعہ افکارِ مغرب۔ دوم

مغربی تہذیب کا اساسی نظام اور اس کی استعماری توسیع

سرمایہ دارانہ نظام

ایک تعارف

www.KitaboSunnat.com

جاوید اکبر انصاری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب: سرمایہ دارانہ نظام۔۔۔ایک تعارف

مصنف: جاوید اکبر انصاری

اشاعت: 2016ء

قیمت: -/240روپے

ناشر: محمد فہد (رابطہ نمبر: 0321-8836932)

کتاب محل

عربی، فارسی، اردو، انگریزی کتب کا مرکز

(اپنی کتب دیدہ زیب پرنٹ کروانے کیلئے رابطہ کریں)

ملنے کا پتہ: دربار مارکیٹ، لاہور۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست

❖ پہلا باب

سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام کیا ہے؟ ۰۵

❖ دوسرا باب

سرمایہ دارانہ شخصیت کے اجزائے ترکیبی ۳۹

❖ تیسرا باب

فلسفہ جمہوریت کا محاکمہ ۶۹

❖ چوتھا باب

مغربی استعمار اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داری ۹۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلا باب

سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام کیا ہے؟

مغرب اور فلسفۂ مغرب عصر حاضر کا اہم ترین موضوع ہے۔ مغربی تہذیب بظاہر ایک غالب، طاقتور تہذیب کے طور پر دنیا بھر میں اثر ونفوذ کر رہی ہے لیکن مغربی تہذیب، مغربی فلسفے اور مغربی فکر کی اساس کیا ہے؟ مغرب اور مغربی فلسفہ کی مبادیات کیا ہیں؟ اس فکر کا صغریٰ وکبریٰ کیا ہے؟ اس کی علمیات (Epistemology) اور Ontology کیا ہے؟ اس فکر میں مابعد الطبیعیاتی سوالات کا کیا مقام ہے؟ اس سلسلے میں چند گزارشات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ ہم مغرب، مغربی فلسفہ، مغربی تہذیب، مغربی افکار، اس کی تاریخ، ماہیت، حیثیت، حقیقت اور انسانی تاریخ پر اس کے اثرات سے واقف ہوسکیں اور اس کا اسلامی علمیات کی روشنی میں محاکمہ کرنے کے قابل ہوسکیں۔

مغربی تہذیب کا ادراک کیوں ضروری ہے؟

اس وقت جس تہذیب کو دنیا میں غلبہ حاصل ہے وہ مغربی تہذیب ہے، اس تہذیب سے صرف اسلام کو ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب عالم کو شدید نوعیت کے چیلنج درپیش ہیں، مغربی تہذیب کے غلبے کے نتیجے میں مذاہب ایک ذاتی معاملہ بن کر طاق نسیاں کی زینت بن جاتے ہیں، اس لیے مذاہب عالم کے ماننے والوں کے لیے عموماً اور امت مسلمہ کے لیے خصوصاً مغربی تہذیب کا ایسا ادراک حاصل کرنا ضروری ہے جس کی بنیاد پر اسے رد کیا جاسکے۔ مغربی تہذیب کو سمجھنا، مغربی تہذیب سے واقف ہونا، مغربی تہذیب کی تردید کرنے کے قابل ہونا، ہم سب کا فرض ہے۔ مجھ جیسے لوگ جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علومِ دینیہ سے ناواقف ہیں ان کے لیے یہ ممکن نہیں، اور یہ مناسب بھی نہیں، کہ وہ کسی عمل پر اسلامی حکم جاری کریں کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ انہی معنوں میں ہم جیسے لوگ جو علومِ دینیہ سے واقف نہیں علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے خدام ہیں اور ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم مغربی تہذیب -- جس کی آغوش میں ہم پلے ہیں اور جس کو سمجھنے میں ہم نے اپنی عمریں گزاری ہیں -- کی حقیقت، اس کی حیثیت اور اس کی ماہیت علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی خدمت میں بیان کردیں اور ان سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ایسی حکمت عملی مرتب فرمائیں جس کی بنیاد پر مغربی فکر و فلسفے اور تہذیب کی تسخیر ممکن ہوگی وہ حکمتِ عملی علمائے کرام اور صوفیائے عظام ہی مرتب کر سکتے کیونکہ وہی علوم دینیہ کے وارث ہیں اور وہی مغرب کا اسلامی علمیاتی محاکمہ کر سکتے ہیں۔

سرمایہ و جمہوریت معبودانِ حاضر

مغرب کو سمجھنے کے لیے سرمایہ اور جمہوریت کی اصطلاحات اور ان کا تاریخی پس منظر سمجھنا ضروری ہے کیونکہ سرمایہ داری اور جمہوریت، عصرِ حاضر کے دو ایسے معبود ہیں جن کی پرستش عالمگیر پیمانے پر کی جارہی ہے اور ان مغربی اصطلاحات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں جاری و ساری ہیں۔ ان اصطلاحات کا تاریخی پس منظر نظر انداز کر کے انھیں مجرد اصطلاح سمجھ کر ان کو سند جواز عطا کی جارہی ہے۔ سرمایہ داری کیا چیز ہے؟ سرمایہ دارانہ معاشرہ کیا ہے؟ سرمایہ دارانہ عمل کسے کہتے ہیں؟ یہ اس باب کا موضوع ہے۔ دوسرا باب 'ذات' اور اس کے تصور کے بارے میں ہوگا۔ مغرب کے تصورِ ذات اور تصورِ نفس کو بیان کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام جن مفروضات پر قائم ہوتا ہے وہ مفروضات اسی وقت واضح ہوتے ہیں جب مغربی فلسفے میں 'نفس' اور 'ذات' کے تصورات کا ادراک ہو سکے۔ لیکن یہ موضوع ذرا مشکل ہے۔ مغرب کے تصورِ انسان، تصورِ ذات اور تصورِ نفس کو سمجھے بغیر ہم سرمایہ داری اور جمہوریت کو نہیں سمجھ سکتے، اور اس بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہم مغربی تہذیب کو کن بنیادوں پر کلیتاً رد کرتے ہیں۔ اس تہذیب سے اختلاف کی بنیادیں کیا ہیں اور اسے کیوں ظلم اور طاغوت تصور کیا جاتا ہے؟ اور کیوں ہم مغربی تہذیب کو بالکلیہ ظلم کہتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم مغرب کے تصورِ فرد، تصورِ خیر اور تصورِ حیات سے بخوبی واقف ہوں، لہٰذا اختصار کے ساتھ مغرب کے تصورِ ذات اور تصورِ حیات کو علمی بنیادوں پر سمجھنا ضروری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس وقت سرمایہ دارانہ نظام کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ اسلامی معاشروں اور اسلامی ریاستوں کو عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں ضم کرنا چاہتا ہے۔ قارئین 'عالمگیریت' کے لفظ سے واقف ہوں گے اور Globalization کے تصور سے بھی واقف ہوں گے۔ عالمگیریت وہ تحریک ہے جس کے نتیجے میں سرمایہ داری ہی کی عالمگیریت مقصود ہے چنانچہ سرمایہ داری کو سمجھے بغیر عالمگیریت کے عمل کو، اس کی حقیقت کو، اور اس کی ماہیت کو سمجھا نہیں جا سکتا۔

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی قدر 'آزادی' ہے

سرمایہ دارانہ نظام کیا ہے اور سرمایہ دارانہ معاشرہ اور سرمایہ دارانہ معیشت کس نوعیت کا معاشرہ اور کس نوعیت کی معیشت ہوتی ہے؟ سرمایہ دارانہ نظام وہ نظام ہے جس میں فرد 'آزادی' کا طلبگار رہتا ہے۔ سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی قدر کیا ہے؟ اس کی بنیادی قدر 'آزادی' ہے۔ اور یہی 'آزادی' مغربی فلسفے کی قدرِ مطلق ہے۔ آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو چاہے خواہش کر سکتا ہے، وہ کسی کا پابند نہیں ہے وہ آزاد پیدا ہوا ہے لہٰذا اسے کسی الہامی ضابطے کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام وہ نظام ہے کہ جس میں انسان جس قدر کا طلبگار رہتا ہے وہ آزادی ہے اور آزادی کی طلب اور آزادی کی جستجو بنیادی طور پر مارکیٹ میں کی جاتی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام 'مارکیٹ' پر مبنی نظام ہوتا ہے۔ اس کا انحصار بازار پر نہیں ہوتا۔ مارکیٹ اور بازار میں بنیادی نوعیت کا فرق ہے، مارکیٹ اور بازار مماثل نہیں ہوتے۔ اس فرق کی تفصیل آئندہ صفحات میں واضح ہو جائے گی۔

ہر قسم کی خواہشات جائز اور یکساں ہیں

سرمایہ دارانہ نظام میں 'آزادی کی طلب' بنیادی طور پر جس فلسفے کی غماز ہے وہ یہ ہے کہ نفس میں جو خواہشات پیدا ہوتی ہیں ان خواہشات کو کسی اصول کی بنیاد پر مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ نفس کے اندر جو خواہشات پیدا ہوتی ہیں ان کو انسان محض جوڑتا (Concatenate) ہے۔۔۔ ان کی ترتیب (Order) اور درجہ بندی نہیں کرتا۔۔۔ ان کو خلط ملط کر دیتا ہے۔۔۔ ان کی ترتیب جس طریقے سے وہ چاہتا ہے۔۔۔ متعین کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انسان نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان لہو و لعب میں بھی مبتلا ہونا چاہتا ہے۔۔۔ دولت بھی کمانا چاہتا ہے۔۔۔ ماں باپ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خدمت بھی کرنا چاہتا ہے۔۔۔ مختلف متضاد خواہشات ہیں جو ایک شخص کے نفس میں موجود ہوتی ہیں۔ اب ان خواہشات کے درمیان ترتیب پیدا کرنے کے لیے آپ کے پاس ایک معیار ہونا چاہیے مثلاً یہ کہ آپ خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو نفس کی جو خواہشات ہیں ان کو ترتیب دینے کے لیے آپ کے پاس ایک پیمانہ ہونا چاہیے۔ اس پیمانے کی بنیاد پر آپ نفس کی تمام خواہشات کو مرتب کر سکتے ہیں۔ اس عمل کو خواہشات کی درجہ بندی کرنا کہتے ہیں۔ لیکن مغربی تہذیب اس بات کا انکار کرتی ہے کہ خواہشات جو انسان کے نفس میں موجود ہوتی ہیں ان کو ترتیب دینے کے لئے کسی قسم کا کوئی پیمانہ موجود ہے، جیسے رالس کہتا ہے:

Taking the separateness of the person seriously

لوگوں کا جو فرق ہے، لوگوں کے اندر جو فرق ہے، لوگوں کے اندر جو تفریق ہے اس کو آپ قبول کیجیے۔ تفریق کیا ہے؟ یہی کہ مختلف لوگ اپنے نفوس کے اندر جو خواہشات محسوس کرتے ہیں ان کو مختلف طریقے سے جوڑتے ہیں۔۔۔ کوئی عبادت کرنے کو زیادہ پسند کرتا ہے۔۔۔ کوئی دولت کمانے کو۔۔۔ کوئی ماں باپ کی خدمت کو زیادہ پسند کرتا ہے۔۔۔ اور کوئی لذت حاصل کرنے کو زیادہ پسند کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کی یہ انفرادی آزادی ہے کہ وہ جس طریقے سے چاہے۔۔۔ جو خواہشات اس کے نفس میں موجود ہوں۔۔۔ ان کو مرتب کرلے اور کوئی بنیادی اصول ایسا موجود نہیں جس کی بنیاد پر نفس کی خواہشات کی درجہ بندی کی جا سکے۔ مغربی تہذیب کا یہ ایک بنیادی مفروضہ ہے۔

ہر شخص معیارِ حق خود متعین کر سکتا ہے

ہر شخص خود معیارِ حق متعین کر سکتا ہے، چنانچہ آزادی یہی ہے کہ ہم لوگوں کو حق دیں کہ وہ معیارِ خیر اپنے لیے خود متعین کر لیں۔۔۔ بغیر کسی عالمگیر اصول (Universal Principle) کے وہ اپنے لیے خود متعین کر لیں کہ ان کا معیارِ خیر، ان کا تصورِ خیر و شر کیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک لوگوں کی شخصی (Personal) زندگی کا تعلق ہے۔۔۔ جہاں تک لوگوں کی نجی زندگی کا تعلق ہے۔۔۔ معاشرہ اس کے اوپر کوئی حکم لگانے کی ذمہ دار محسوس نہیں کرتا۔ مثلاً رالس ہی کے ہاں، جو بیسویں صدی کا مغربی سیاسی فلسفی ہے، کہتا ہے کہ "اگر آپ کو اخلاقیات کا دائرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متعین کرنا ہے تو پھر آپ نہیں کہہ سکتے کہ وہ آدمی جو خیر اس میں دیکھتا ہے کہ گھاس کے تنکے گنے۔ اس کا تصورِ خیر بہتر ہے یا اس آدمی کا جو منشیات کو ختم کرنا چاہتا ہے۔۔۔ یعنی تصورِ خیر تو ایک انفرادی معاملہ ہے۔ اس میں آپ کو لوگوں کو آزاد چھوڑنا پڑے گا۔ ہر آدمی اپنے لیے جو تصورِ خیر متعین کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ اسی کو پرائیویٹ لائف (نجی/ذاتی زندگی) کہتے ہیں! ذاتی زندگی سے کیا مراد ہے؟ یہی کہ آپ کی اخلاقیات آپ کی ترجیحات کے مطابق خود ساختہ ہوں گی۔ آپ اپنی ذاتی زندگی میں کس مقصد کو دوسرے مقصد پر فوقیت دیں گے۔۔۔ یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے مغربی تہذیب کے لیے یہ ایک لایعنی سوال ہے۔ انہی معنوں میں ہم مغربی تہذیب کو غیر اخلاقی (Immoral) تہذیب تو کہہ سکتے ہیں، ماورائے اخلاق (above the moral) تہذیب نہیں کہہ سکتے۔

تعلقات کی بنیاد معاہدے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ اخلاقی زندگی مغربی تہذیب میں لایعنی چیز ہے۔ لایعنی ان معنوں میں کہ اس عمل پہ جس کی بنیاد پر لوگ ایک تصورِ خیر کو دوسرے تصورِ خیر کے مقابلے میں بہتر سمجھتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہر تصورِ خیر یکساں ہے، کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں اور ان تصورات خیر کی بنیاد پر زندگی کے پیمانے مرتب نہیں کیے جاتے۔ مغرب میں تعلقات کی بنیاد معاہدوں پر ہے اور کوئی تعلق بغیر کسی غرض کے قائم نہیں رہ سکتا۔ لوگ اپنے تصورات خیر پر مبنی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے آپس میں معاہدے (contracts) کرتے ہیں۔ مغربی معاشرے میں جس بنیاد پر تعلقات استوار ہوتے ہیں وہ بنیاد contract ہی ہے۔ جس جگہ کنٹریکٹ قابل عمل ہوتا ہے وہ 'مارکیٹ' ہے۔ مارکیٹ میں چند افراد جو مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے مختلف تصورات خیر ہیں، وہ اس بنیاد پر معاہدے کرتے ہیں کہ ان کے تصورِ خیر کو حاصل کرنے کے لیے ذرائع و وسائل ملیں؛ یہ باہم مفید (mutually beneficial) معاہدے ہوتے ہیں۔ باہم مفید اس طرح کہ معاہدے کرنے والے ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ برابر ان معنوں میں کہ ان کے تصورات خیر کو (جو کچھ بھی تصورات خیر ہوں) مساوی تصور کیا جاتا ہے۔ اب حقیقت یہ ہے کہ مارکیٹ اور مارکیٹ کا جو نظام ہے اس کے تحت معاہد گروہوں کو مساوی تصور کرنا ضروری ہے۔ یہ تصور زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں ہر چیز مارکیٹ بن جاتی ہے۔ اب کچھ سیاسی فلسفی ہیں مثلاً میکنٹائر، رالس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ جو کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ معاشرت کو آپ کچھ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، مارکیٹ سے علیحدہ عدل کے دائرے ہیں جہاں مارکیٹ کا عمل دخل نہیں ہے یا نہیں ہونا چاہیے۔ مارکیٹ کے معاملات کو ایک خاص حد تک محدود کرنا چاہیے اور اس کو اس حد سے تجاوز نہیں کرنے دینا چاہیے۔ لیکن وہ کچھ بھی کہتے ہوں حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ سوسائٹی اور سول سوسائٹی ایک ہی چیز ہے۔ سرمایہ دارانہ سوسائٹی مارکیٹ سوسائٹی کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں اور اس چیز کا ادراک سب سے پہلے جس کو ہوا وہ ہیگل ہے۔ ہیگل نے اس کی تفصیل بیان کی تھی اسی لیے اس کے ہاں بالخصوص اگر آپ فلسفۂ حق (Philosophy of Right) والا مضمون دیکھیں تو اس میں بھی، اور دوسری جگہ بھی مارکیٹ سوسائٹی اور سول سوسائٹی کو ایک ہی چیز کے دو ناموں کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ آج کل آپ سول سوسائٹی کا بہت تذکرہ سنتے ہوں گے۔۔۔ ہمیں سول سوسائٹی بنانا چاہیے۔۔ یا ہمیں سول سوسائٹی ایجنٹس کو فروغ دینا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ سول سوسائٹی سے مارکیٹ سوسائٹی ہی مراد ہے اور مارکیٹ سوسائٹی سے کیا مراد ہے؟ مارکیٹ سوسائٹی سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں تعلقات کی بنیاد باہمی مفادات کے حصول کے لیے معاہدہ یا کنٹریکٹ پر ہو اور لوگوں کی نفسی اور روحانی کیفیت، ان کی اخلاقی کیفیت، ان کا اخلاقی مرتبہ کچھ بھی ہو، وہ اس معاہدے کی بنیاد پر برابر تصور کیے جائیں۔ ان کے درمیان تعلقات کی بنیاد اس پر ہو کہ وہ ایک دوسرے سے ان تعلقات کو قائم کر کے، جو کچھ بھی ان کا تصور خیر ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے ذرائع و وسائل حاصل کریں۔ لہٰذا ایک سرمایہ دارانہ معاشرے میں افراد کی اقداری حیثیت ہے، روحانی حالت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ سرمایہ دارانہ سوسائٹی اس فرق کو محسوس نہیں کر سکتی۔ سرمایہ دارانہ سوسائٹی اس روحانی اخلاقی تصور سے یکسر خالی اور عاری ہوتی ہے۔ اخلاق، روحانیت یا خیر کا اس کے پاس کوئی تصور ہی نہیں ہوتا۔ وہ اس چیز کا اعلان کرتی ہے کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جو تصورِ خیر چاہے رکھے اور اس کا تعلق دوسرے سے محبت کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔ بلکہ بنیادی طور پر اس کا تعلق دوسرے شخص سے محض اور محض غرض کی بنیاد پر ہوگا۔ وہ جب دوسروں سے تعلق بنائے گا تو فطری روابط کی بنیاد پر وہ تعلقات قائم نہیں کرے گا جیسا کہ روایتی معاشرے میں عموماً ہوتا ہے، بلکہ وہ تعلق قائم کرے گا اس بنیاد پر کہ اس تعلق کے قیام کے نتیجے میں اس کو وہ وسائل، وہ مفادات، وہ ذرائع حاصل ہو سکتے ہیں یا نہیں جس کی بنیاد پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ اپنے تصورِ خیر کو حاصل کر سکتا ہے۔

بازار اور مارکیٹ میں کیا فرق ہے؟

اب یہاں سے آپ مارکیٹ اور بازار میں بنیادی فرق جانچ سکتے ہیں۔ بازار وہ معاشی ادارہ ہے جو روایات اور اخلاقیات کے دائرے میں محصور و محفوظ رہتا ہے۔ ہمارے اسلامی بازار میں قدر متعین کرنے کی قوتوں میں برادریوں کا اہم ترین کردار ہوتا ہے۔ امریکہ کا ایک مشہور مورخ پولیانی بیان کرتا ہے کہ ''قدیم معیشتیں معاشرتوں کا حصہ ہوتی تھیں۔ تعین قدر اس بات پر منحصر تھا کہ معاشرہ خیر کا کیا تصور رکھتا ہے''۔ معاشرہ خیر کا جو تصور رکھتا تھا اس کا اظہار اور ادراک مثلاً مغرب میں گلڈ کے نظام کے ذریعے ہوتا تھا۔ ہر گلڈ کا ایک رہبر و نگران بزرگ ہوتا تھا۔ ہمارے ہاں برادریوں کے اثر و نفوذ سے بازاروں کے ذریعے اس تصور خیر کا اقرار ہوتا تھا، ہمارے ہاں تو بالخصوص بازاروں کو محدود کرنے والا حلال و حرام کا ایک پورا نظام موجود تھا چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام سے پہلے جس بازار کی ہم گفتگو کرتے ہیں مارکیٹ نے اس بازار کو مطلقاً تباہ کر دیا ہے۔ تباہ ان معنوں میں کہ حلال و حرام کی وہ قیود اور معاشرے کے تصور خیر کی وہ قیود جن کی بنیاد پر بازار میں تعین اقدار ہوتا تھا وہ تباہ ہو گئیں، وہ حدود و قیود ختم ہو گئیں اور یہاں تعین خیر و شر کی بنیاد صرف یہ رہ گئی کہ افراد جن کے تصورِ خیر ایک دوسرے سے مختلف ہیں ایسا معاہدہ کریں جو باہمی طور پر مفید ہو۔

سرمایہ آزادی کا دوسرا نام ہے

اس بات کو سمجھنے کے لیے اس بات کو دیکھنا پڑے گا کہ جس وقت ہم یہ بات کہتے ہیں ہم اس چیز کو قبول کرتے ہیں کہ انفرادی سطح پر تصور خیر کچھ بھی ہو ہم اجتماعی سطح پر ہر تصور خیر کو یکساں مانیں گے۔ خواہ ہم دوسرے تصور کو کتنا ہی ناپسند کرتے ہوں کیونکہ تمام تصورات خیر ایک ہی قدر کی حیثیت رکھتے ہیں، تو فی الواقع جس چیز کی ہمیں جستجو ہو گی وہ ہو گی آزادی۔۔۔ آزادی کا کیا مطلب ہے؟ آزادی کا یہ مطلب ہے کہ معاہدے (کنٹریکٹ) اس طریقے سے کیے جائیں کہ افراد اپنے تصورِ خیر کو حاصل کرنے کے زیادہ سے زیادہ مکلف ہو جائیں۔ ان تصورات خیر میں ہم کسی قسم کی تفریق نہیں کریں گے، لیکن فی الحقیقت ان تمام تصورات خیر کو ہم مارکیٹ کے تابع کر دیں گے۔ 'خیر مطلق' کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس عمل کے نتیجے میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی مل جائے کہ وہ اپنے تصورِ خیر کو حاصل کر سکیں۔ اس مجرد تصورِ خیر کو سرمایہ (Capital) کہتے ہیں۔۔۔ سرمایہ کیا ہے؟ سرمایہ آزادی کا دوسرا نام ہے، بلکہ سرمایہ داری میں آزادی کی جو شکل ہوتی ہے وہ کیپٹل ہی ہوتی ہے۔۔۔ آزادی کس کو حاصل ہوتی ہے؟ یہ اس کو حاصل ہوتی ہے جس کے پاس سرمایہ زیادہ ہو۔ اگر میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو وہ تمام حقوقِ انسانی جن پر مغربی تہذیب کا اجماع ہے وہ میرے لیے قابلِ حصول نہیں ہیں۔ اگر میرے پاس پیسے نہیں تو میں کوئی اخبار نہیں نکال سکتا۔۔۔ میرے حق اظہار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔۔۔ اگر میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو میں جائیداد حاصل نہیں کر سکتا، حالانکہ مغربی مفکرین، بالخصوص قدیم یا اولین دور کے مغربی مفکرین تو کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ پراپرٹی حاصل کیے بغیر تو آزادی ممکن ہی نہیں چنانچہ اصل میں سرمایہ کیا ہے؟ سرمایہ آزادی کی مجسم شکل ہے۔ (Capital is the concrete form of freedom)

تمام تصوراتِ خیر یکساں نہیں ہو سکتے

مغربی فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ فی الواقع تمام تصوراتِ خیر ذاتی زندگی میں یکساں ہو جاتے ہیں۔ یہ سراسر جھوٹ اور غلط دعویٰ ہے۔۔۔ ایسا نہیں ہے! حقیقت یہ ہے کہ مغرب نے ایک جانب یہ دعویٰ کیا کہ خیر یا مطلق خیر کوئی چیز نہیں ہے، لیکن دوسری جانب جو مطلق تصورِ خیر ان کے ہاں موجود ہے وہ سرمایہ یا آزادی ہے جس کی بنیاد پر دیگر تمام تصوراتِ خیر کو جانچا جاتا ہے اور تصوراتِ خیر کی قبولیت یا عدمِ قبولیت اس بات پر منحصر ہے کہ آپ کس حد تک اس تصورِ خیر کو اپنا کر سرمایہ حاصل کر سکتے ہیں۔ انہی معنوں میں ہم یہ بات کہتے ہیں کہ مارکیٹ ایک Colonizing Phenomenon ہے۔ مارکیٹ معاشرے کی ہر چیز کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ خاندان کو بھی اور قبیلے کو بھی! باپ بھی بیٹے سے یہ کہتا ہے تم کتنا پیسہ کماتے ہو؟ تم نے کیا کیا ہے کہ تمہیں بہتر سے بہتر نوکری مل سکے۔ ہر معاشرتی عمل بنیادی طور پر سرمایہ کی بڑھوتری کے عمل کے تابع ہو جاتا ہے۔ کیپٹل سوسائٹی کون سی سوسائٹی ہے؟ وہ سوسائٹی ہے جس کا تصورِ قدر سرمایے کی بڑھوتری ہے۔ اور ہم کس وقت کہتے ہیں کہ سوسائٹی مارکیٹائز (marketize) ہو گئی ہے۔ جب تمام تعلقات اور تمام اقدار سرمایہ کی بڑھوتری کے تابع ہو جائیں تو اُس وقت ہم کہتے ہیں کہ یہ معاشرہ سرمایہ دارانہ معاشرہ ہو گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مارکیٹ میں تصوراتِ خیر برابر نہیں ہو سکتے

سرمایہ دارانہ معاشرہ کے بارے میں عموماً یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس معاشرے میں فی الواقع لوگوں کے تصوراتِ خیر مساوی ہوتے ہیں، جبکہ حقیقتاً کسی بھی سرمایہ دارانہ معاشرے میں لوگوں کے تصورات خیر ہرگز مساوی نہیں ہوتے۔ مارکیٹ میں مساوی لوگ کنٹریکٹ نہیں کرتے، کبھی مساوی کنٹریکٹ نہیں ہوتے۔ یہ جھوٹ ہے۔ لہٰذا یہ سرمایہ دارانہ نظریہ جھوٹ ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشرے میں کنٹریکٹ برابری کی بنیاد پر ہوں۔ سرمایہ دارانہ معاشرے میں معاہدے غیر مساوی ہوتے ہیں۔ مزدور کا انتظامیہ کے ساتھ معاہدہ۔۔۔ صارف کا Finance Producer کے ساتھ معاہدہ ہے۔۔۔ یہ دونوں غیر مساوی معاہدے ہیں۔ Producer کا افراد اور اداروں کے ساتھ معاہدہ غیر مساویانہ معاہدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ فی الواقع سرمایہ داری میں مساوات حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ دعویٰ کہ کیپٹیل ازم میں مختلف تصورات خیر برابر ہیں اور لوگ جب کنٹریکٹ کرتے ہیں تو ان کی حیثیت مساوی ہوتی ہے۔۔۔ سراسر غلط اور جھوٹا دعویٰ ہے، ایسا قطعاً نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشرے میں آزادی حاصل ہوتی ہے مگر آزادی کا مطلب کیا ہے؟ آزادی کا مطلب ہے سرمایہ کی بڑھوتری۔۔۔ اس کے سوا آزادی کا کوئی دوسرا مطلب ہے ہی نہیں۔ سرمایہ دارانہ معاشرے اور مارکیٹ کو ہم بالکلیہ شر کہتے ہیں۔

آزادی عدمِ محض ہے

سرمایہ داری محض دوسرا تصورِ خیر نہیں ہے بلکہ اسلامی تناظر میں گناہ اور کذب ہے۔ یہ تصور خیر نہیں تصورِ شر ہے، یہ طاغوت اور باطل ہے۔ سرمایہ داری وحی اور عبادت کو رد کرنے کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ آزادی کس چیز کی الٹ ہے۔۔۔ عبادت کی! اگر ایک معاشرہ آزاد ہوگا اور اگر فی الواقع سرمایہ کی بڑھوتری کی بنیاد پر آپ تمام تصورات خیر مرتب کریں گے تو بنیادی طور پر آپ ایک ایسے نظام کو ترتیب دیں گے جہاں حرص و حسد فروغ پائیں گے۔ غضب اور شہوت فروغ پائے گا۔ اس معاشرے کا مقصد صرف سرمایہ کا حصول ہوگا۔ سورہ تکاثر اس کوشش میں مصروف لوگوں اور معاشروں کی حقیقت نہایت بلیغ طریقے سے بیان کرتی ہے کہ مال دولت کی ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی اور قبر کی مٹی ہی اسے بھر سکتی ہے۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ تصورِ معاشرت و معیشت دراصل طاغوت کی شکل ہے۔ ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ دارانہ نظام اور مارکیٹ کو ان بنیادوں پر رد کرتے ہیں کہ اس کا تصورِ آزادی عبادت کے برعکس ہے۔۔۔عبادت کا رد ہے۔آزادی کیا ہے؟ آزادی کچھ نہیں ہے! آزادی عدمِ محض ہے۔ یہ محض ایک خلا ہے۔۔۔کیوں؟ آپ یہ کیوں کہتے ہیں۔۔۔؟ اس لیے کہ آپ کے پاس کوئی تصور نہیں کہ خیر کیا ہے، خیر محض یہ ہے کہ آپ وہ صلاحیت پیدا کریں کہ جس کی بنیاد پر آپ جو چاہیں کر گزریں۔ یہی تو مطلب ہے اس کا کہ تمام تصوراتِ خیر ایک جیسے ہیں اور اسی بنیاد پر تو آپ اس فکر کو جواز فراہم کرتے ہیں کہ وہ وسائل حاصل ہوں جس کی بنیاد پر میں جو چاہوں کر سکوں۔ کانٹ کا جنتِ ارضی (Kingdom of End) کا تصور اور مارکس کا تصور خالص اشتمالی معاشرہ، سارتر کا تصور (Hell is other People) تمام کی تمام اسی فکر کا اظہار ہیں۔ Freedom itself is nothing (آزادی محض ایک خلا ہے)۔سرمایہ کے بغیر آزادی کے کوئی معنی نہیں ہیں۔اب اسی چیز کو مارکیٹ کے عمل میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مارکیٹ میں یہ اس طرح واضح ہوتی ہے کہ مارکیٹ میں قدر کا جو تصور ہے وہ اضافی (Relative) ہے۔Concept of value only Relative ہے۔ایک چیز کی قدر کیا ہے؟ دوسری چیز کے مقابلے میں اس کی کیا قیمت ہے؟ مارکیٹ میں کیا چیز قدر کا اظہار کرتی ہے؟ قیمت کیا ہے؟ ایک چیز کا بدل کوئی دوسری چیز اور اس کے لیے آپ نے ایک ایسا ذریعہ (Medium) دریافت کر لیا ہے جسے سرمایہ دارانہ پیسہ (Capitalist Money) کہتے ہیں جس کی اپنی کوئی قدر نہیں۔سرمایہ دارانہ پیسہ اصل زر سے ان معنوں میں مختلف ہے کہ اس کی اپنی کوئی قیمت نہیں، اپنی کوئی قدر نہیں۔اسٹیٹ بینک آف پاکستان یا فیڈرل ریزرو یا بینک آف انگلینڈ یا بینک آف یورپ جب چاہے سرمایہ دارانہ پیسہ پیدا کر سکتا ہے۔اور اس پیسے پر کمرشل بینک جتنا پیسہ چاہیں بنا سکتے ہیں۔۔۔Capitalist Money قدر سے عاری ہے۔There is no value incapitalist money سرمایہ دارانہ پیسہ تو صرف اضافی قدر (Relative Value) کا اظہار ہے۔ یہ کیوں ہے۔۔۔؟ اس لیے کہ آزادی (Freedom) تو عدمِ محض (Nothingness) ہے۔آزادی تو کچھ نہیں ہے۔آزادی کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کا نہ تو کوئی Content ہے نہ ہی اس کا کوئی جوہر (Substance) ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغرب کے پاس خیر کا کوئی تصور ہی نہیں ہے

مغرب کے پاس کوئی دوسرا تصورِ خیر موجود نہیں ہے۔ مغرب نے الٰہی تصورِ خیر، الہامی تصوراتِ خیر، وحی الٰہی، انجیل اور عیسائیت کو رد کیا اور اس بنیاد پر رد کیا کہ وحی قدر متعین کرنے کا پیمانہ نہیں بن سکتی۔ تو اس کی جگہ وہ کسی چیز کو نہیں رکھ سکے اور ان کی پوری تاریخ میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ اس خلا کو مغرب کی فکر اور فلسفہ آج تک پر نہیں کر سکا۔ چنانچہ مارکیٹ میں جس خیر کا تصور دیا جاتا ہے وہ کوئی مطلق تصورِ خیر نہیں ہے۔ ان معنوں میں یہ بات بالکل درست ہے کہ وہ ان تصوراتِ خیر کی جگہ کوئی دوسرے تصوراتِ خیر نہیں رکھ سکے، چنانچہ قدر کو وہ ایک مہمل چیز سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ سرمایہ داری (Capitalist) دراصل ایک لا اخلاقی (amoral) نظام ہے جو قدر کو مہمل سمجھتا ہے، صرف اضافی قدر کو درست تصور کرتا ہے۔ لیکن عملاً یہ بات بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس کے نتیجے میں جو اخلاق فروغ پاتے ہیں وہ اخلاق رذیلہ ہیں۔۔۔ وہ حرص و ہوس اور شہوت و غضب ہیں۔ وہ محبت، للّٰہیت، تقویٰ اور بزرگی نہیں ہیں۔ منطقی طور پر بھی سرمایہ دارانہ نظام ایک لا اخلاقی نظام ہے اور عملاً اخلاقِ رذیلہ کے فروغ کا ذریعہ بننے والا نظام ہے۔

سرمایہ داری اخلاق رذیلہ کو فروغ دیتی ہے

چونکہ سرمایہ داری میں کوئی تصورِ خیر موجود نہیں ہے اس لیے جس چیز کو سرمایہ داری فروغ دیتی ہے وہ ہے 'شر'۔۔۔ اور اخلاق رذیلہ، جو مذہب کی تعلیمات کا الٹ ہے۔ سرمایہ انسان کو اپنی اور نفس کی پرستش کی طرف مائل کرتا ہے اور خدا کی بندگی سے انکار کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس معاشرے میں انسان کا نفس ہی الٰہ ہے۔ انسان اسی معبود کی پرستش میں زندگی بسر کرتا ہے اور سرمایہ داری آزادی اسی معبود کی پرستش کو ممکن بنانے کے ذرائع ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام خود بخود وجود پذیر نہیں ہوتا

سرمایہ دارانہ نظام کو سمجھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی نہ کسی حد تک سمجھا جائے کہ سرمایہ دارانہ نظام وجود میں کیسے آتا ہے۔ یہ کیسے ہوا کہ لوگوں نے صدیوں پرانی الہامی اور تہذیبی اقدار و روایات کو فراموش کر دیا۔ یہ بڑی اجنبی اور بڑی عجیب چیز ہے، مختلف اسلامی مفکرین کا خیال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ مغربی تہذیب وقتی اور حادثاتی چیز ہے۔ مغربی تہذیب ایک حادثہ ہے جیسے بابل، نینوا، جیسے عادو ثمود وغیرہ ایک حادثہ ہیں مگر ہماری تہذیب اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ابدی(Universal) ہیں۔ تو یہ حادثہ کیسے رونما ہوا کہ مغربی تہذیب غالب آ گئی۔۔۔ سرمایہ دارانہ نظام غالب آ گیا؟ لوگوں نے یہ شر۔۔۔ یہ عجیب اور نامانوس بات قبول کر لی کہ فی الواقع کوئی خیر نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ انسانی معاشرے نے اس قدر ضلالت قبول کر لی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ فطرتاً یہ نہیں ہوا۔ ہائیک (Hayck) جھوٹ بولتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ''سرمایہ دارانہ ادارے خود بخود وجود میں آ جاتے ہیں۔'' یہ بات درست نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ ادارے خود بخود وجود میں نہیں آتے۔ ایسا نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشرہ خود بخود قائم ہو جائے۔ بنک خود بخود نکل آئیں اور بازار خود بخود مارکیٹ بن جائیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے! اس میں کلیدی کردار ریاست ادا کرتی ہے۔ بنیادی ایجنسی ریاست ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اس وقت قائم ہوتا ہے جب ریاست سرمایہ دارانہ نظام کو قائم کرنا چاہتی ہے۔

تمام قوانین کا ماخذ امریکی قوانین ہیں

سرمایہ داری کا عمل یورپ میں کیسے تشکیل پذیر ہوا اس کا جائزہ اور مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشرہ یا شخصیت یا بازار فطری طور پر وجود پذیر نہیں ہوتے بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کو قائم کرنے کی بنیادی ایجنسی 'ریاست' ہوتی ہے۔ ریاست ہی کے ذریعے سرمایہ دارانہ معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ اسے مثال کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔۔۔ مثلاً صرف دورِ حاضر ہی میں سرمایہ داری کو کس طرح عالمگیر بنایا جا رہا ہے۔ گلوبلائزیشن کا مطلب کیا ہے؟ مطلب صرف یہ کہ امریکی قوانین تمام معاملات ترتیب دینے کی بنیاد بن جائیں۔ اگر آپ WTO کے مقاصد دیکھیں، IMF کا انٹرنیشنل اکاؤنٹنگ باڈیز پر عمل دخل دیکھیں۔ ان کے نیا اسٹینڈرڈ سیٹنگ آرگنائزیشن ISO 9001-2 وغیرہ کے کام دیکھیں اور آپ یہ سوال اٹھائیں گے کہ یہ جو تم عالمی قوانین بنا رہے ہو ان کا ماخذ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ماخذ امریکی قوانین ہیں۔ بنیادی حقوق کی بات کرنے والے جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حقوقِ انسانی کی بنیاد پر تمام معاشروں کو از سرِ نو ترتیب دیں گے وغیرہ۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ حقوقِ انسانی وغیرہ کہاں سے آئے ہیں؟ تو یہ حقوق امریکی اعلانِ آزادی (Declaration of Independence) سے ماخوذ ہیں۔ فیڈرلسٹ پیپر کا مطالعہ اس حقیقت کو مزید واضح کر دیتا ہے۔ آپ اقوامِ متحدہ کے عالمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منشور برائے حقوق انسانی کا 'امریکی اعلانِ آزادی' سے موازنہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ دونوں ایک ہی چیز کے دو ضمیمے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ عالمی قوانین و حقوقِ ملکیت، جو عالمی تنظیم برائے حقوق ملکیت نے Technology Region کے بارے میں بنائے ہیں، ان کا موازنہ امریکی پیٹنٹ سسٹم سے کریں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ دونوں سو فیصد ایک ہی چیز ہیں۔

سرمایہ داری کا اصل محافظ امریکا ہے

آج سرمایہ داری اگر عالمگیر ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ اسے عالمگیر بنا رہا ہے کیونکہ امریکا ہی فلسفۂ سرمایہ داری کا خالق ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ امریکہ خود براہ راست یہ کام نہیں کرتا بلکہ اس نے کچھ ایسی عالمی ایجنسیاں بنادی ہیں کہ جن کے ذریعے وہ یہ کام کر رہا ہے۔ لیکن یہ تمام ایجنسیاں امریکی استعمار کے ہاتھ میں محض آلۂ کار ہیں۔ سرمایہ داری کے پیچھے امریکی ریاست کی قوت موجود نہ ہو تو سرمایہ داری کے عالمگیر ہونے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کیا امریکی اقدار روایات فلسفے کو فطری تسلیم کر لیں؟ کیا اسے تسلیم کر لیا جائے کہ قانون فطرت یہی ہے کہ امریکا دنیا میں غالب ہو؟ یا ہم یہ مان لیں کہ فی الواقع جو امریکہ میں ہوا وہی عقل کا تقاضا ہے؟ جس طریقے سے امریکی پیٹنٹ سسٹم بنا ہے وہی اصل طریقہ ہے اور کیا اسی طریقے سے پیٹنٹ سسٹم بننا چاہیے؟ امریکہ میں مالی (Financial) نظام جس طریقے سے چلتا ہے وہی عقل کا تقاضا ہے۔۔۔ اور وہی مالی نظام کو چلانے کا اصل طریقہ ہے؟

سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی ملکیت ختم ہو جاتی ہے

اصل بات یہ ہے کہ سرمایے کے پیچھے جس چیز کی قوت ہے وہ ریاست کی قوت ہے۔ اگر ریاست سرمایہ دارانہ ریاست نہ ہو تو سرمایہ دارانہ نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں IMF کی شرائط قبول کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ پاکستان میں سرمایہ داری کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ امریکی طریقوں کو یہاں نافذ کیا جائے۔ امریکہ کے طریقے وہی ہیں جو IMF بناتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام خود بخود فروغ نہیں پاتا، یہ خود رو پودا نہیں ہے۔۔۔ کوئی فطری چیز نہیں ہے، نہایت غیر فطری چیز ہے۔ بالکل انسان کے نفس اور قلب کو مسخ کرنے والی چیز ہے۔ اس کو نافذ کرنے کے لیے ریاستی جبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے طور پر پوری دنیا میں IMF کی شرائط نافذ کی جا رہی ہیں اور جبر کے طور پر حقوقِ انسانی (Human Rights) پر مبنی استعمار اس وقت پوری دنیا کے اوپر نافذ کیا جا رہا ہے۔۔۔ یہ کوئی فطری عمل یا کوئی عقلی تقاضا نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ معیشت میں کچھ بھی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا

سرمایہ دارانہ معیشت اور دوسری معیشتوں میں دو بنیادی چیزوں کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ غیر سرمایہ دارانہ معاشرت کے سرمایہ دارانہ معاشرت میں تبدیل ہونے میں دو بنیادی چیزیں اہم ہیں۔ پہلی چیز 'سرمایہ دارانہ تصورِ ملکیت' ہے۔ سرمایہ داری کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ تصورِ ملکیت کو قانونی تحفظ دیا جائے۔ سرمایہ دارانہ تصورِ ملکیت کو اچھے طریقے سے سمجھ لینا چاہیے۔ اسے یوں سمجھیں لیں کہ سرمایہ دارانہ تصورِ ملکیت میں ایک 'شخص قانونی' (Corporate personality) تخلیق کیا جاتا ہے۔ اب یہ شخص قانونی Corporate personality کیا ہے؟ اس کا تصور یہ ہے کہ یہ ایک ایسا شخص قانونی ہے جو قلاش (Bankrupt) تو ہو سکتا ہے لیکن مر نہیں سکتا۔ ذاتی ملکیت میں تصور یہ ہے کہ کسی شخص کی ملکیت ہوتی ہے، وہ مر جاتا ہے تو اس کے بعد اس کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے، تقسیم ہو جاتی ہے وغیرہ۔ سرمایہ دارانہ تصورِ ملکیت میں تصور یہ ہے کہ کمپنی جب قائم ہوگی تو کمپنی ایک شخص قانونی کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ اس قانونی شخص کا فرض کیا ہے؟ یہ ہے کہ جو کچھ مقدارِ سرمایہ اس کو میسر آئے اس کی بڑھوتری کو اصل پیمانہ بنا کر اپنے تمام تر معاملات کا تعین کرے۔ ذاتی ملکیت میں کسی شے کا مالک اس بات کا مختار ہے کہ وہ اپنی ملکیت کے ساتھ جو چاہے کرے، اپنے مال کو جس طرح چاہے استعمال کرے، لیکن ایک سرمایہ دارانہ کمپنی اس بات پر مجبور ہے کہ جو مال اس کے اختیار میں ہے اس کی بڑھوتری کے سوا کسی دوسری چیز کو اپنے پورے تجارتی اور پیداواری عمل کی بنیاد نہ بنائے چنانچہ سرمایہ دارانہ کمپنی میں عملاً یہ ہوتا ہے کہ دو قسم کے Stake ہولڈر ہوتے ہیں ایک کو کہتے ہیں شیئر ہولڈر (حصص حاصل کرنے والے)، اور دوسرے مینیجرز (Managers)۔ عملاً شیئر ہولڈر کمپنی کو چلانے میں کوئی حصہ نہیں لیتے اور تمام تر کارکردگی کا انحصار مینیجرز پر ہوتا ہے۔ فی الحقیقت سرمایہ دارانہ کمپنی کا کنٹرول مینیجرز کے ہاتھ میں ہوتا ہے شیئر ہولڈرز کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ شیئر ہولڈر محض مینیجرز سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم ہمارے شیئر کی قدر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Value) کو بڑھاؤ اور اگر مینیجرز اس شیئر کی قدر کو بڑھانے میں معاون نہیں ہوتے اور شیئرز کی قدر بڑھانے میں ان کی حکمت عملی ناکام ہو جائے تو ان مینیجرز کو نکال دیا جاتا ہے وہ کمپنی ختم ہو جاتی ہے۔۔۔ قلاش ہو جاتی ہے۔۔۔ اس کے اثاثے قرض خواہوں (Debtors) کو دے دیئے جاتے ہیں۔۔۔ جو خود کارپوریٹ کمپنیاں ہوتی ہیں۔ اب وہ خود اسی کام میں لگ جاتی ہیں اور شیئر ہولڈرز کے شیئرز کی قدر کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کے عمل میں جت جاتی ہیں۔ فی الواقع سرمایہ دارانہ معیشت میں ذاتی ملکیت ہوتی ہی نہیں۔ اس معاملہ میں سرمایہ دارانہ معیشت اور اشتراکی معیشت بالکل ایک جیسی ہیں۔

سرمایہ دارانہ معیشت نے ذاتی ملکیت کو اسٹاک مارکیٹ کے تحت ختم کیا ہے۔ اشتراکی نظام میں کس چیز نے ذاتی ملکیت کو ختم کیا؟ ریاست نے یا قومیانے (Nationalization) کے عمل نے۔ اس سے قطع نظر فی الحقیقت دونوں نظاموں میں ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ اشتراکیت بھی اصلاً سرمایہ داری ہے، فرق صرف طریقہ کار کا ہے۔ وہاں ملکیت بڑی بڑی کارپوریشن اور کمپنیوں کی ہوتی ہے جبکہ اشتراکیت میں ملکیت اجتماعی ہوتی ہے، دونوں نظاموں میں انفرادی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور زندگی کا واحد مقصد آزادی اور آزادی کے حصول کے لیے سرمایہ کی بڑھوتری اور مسلسل بڑھوتری رہ جاتا ہے۔ صرف طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ کا اصل مالک فی الواقع کوئی فرد نہیں بلکہ سرمایہ خود ہوتا ہے۔ سب سرمایے کے غلام ہوتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں طبقات نہیں ہوتے۔ ایسا نہیں ہوتا جیسا مارکسسٹ کہتے ہیں۔۔۔ یہ لیبر کلاس ہے وغیرہ۔۔۔ بالکل نہیں! سرمایہ دارانہ نظام میں ہر شخص سرمایے کا خادم ہے اور اس کی قدر اس بنیاد پر متعین ہوتی ہے کہ وہ سرمایے کی بڑھوتری میں کتنا اضافہ کرتا ہے۔ ہر شخص کے عمل کو اسی طریقے سے ناپا جاتا ہے۔

آزادی کا مطلب سرمایے کی غلامی

آزادی کی حقیقت کیا ہے؟۔۔۔ سرمایے کی غلامی! سرمایے کی غلامی کے سوا آزادی کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور سرمایہ دارانہ نظام میں انسان سرمایے کی غلامی پر مجبور ہوتا ہے۔ محض یہ نہیں کہ وہ اسے اختیار کرتا ہے۔۔۔ ماں بیمار ہے دوا کہاں سے لاؤں گا۔۔۔ اگر میری تنخواہ میں اضافہ نہ ہوا تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیم کہاں سے لوں گا۔۔۔ اگر مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہے تو سرمایے کے حصول کے بغیر میں تعلیم کیسے حاصل کرسکوں گا۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام انسان کو سرمایے کی غلامی پہ مجبور کرتا ہے یہی آزادی کا مطلب ہے۔ عملاً آزادی کا کوئی دوسرا مطلب نہیں۔ آپ اس کو کوئی دوسرا نام دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں لیکن حقیقتاً اور عملاً، تاریخی تسلسل کے طور پر آزادی کا مطلب 'سرمایہ کی غلامی' ہے۔

سرمایہ داری میں ذاتی ملکیت کی جگہ کارپوریٹ ملکیت لے لیتی ہے

سرمایہ دارانہ نظام میں بھی اشتراکیت کی طرح ذاتی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ سرمایے کی بالادستی قائم ہو جاتی ہے۔ حقیقتاً ہر شخص اجرت کمانے والا ہو جاتا ہے۔ The wage form is universalized ہر آدمی بس ایک مزدور ہے جسے اجرت مل رہی ہے۔ مزدوری کیا ہے؟ یہ کہ آپ اپنے وقت کو بیچتے ہیں۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ مزدوری غلامی نہیں ہوتی، لیکن عملاً یہ سرمایہ کی غلامی کا ہی دوسرا نام ہے۔ آپ نے اپنا وقت بیچ دیا اس کے بعد جس نے خریدا ہے، وہ آپ سے جو بھی چاہے معاملہ کرے، خود ایک مجبور محض ہے۔ وہ کیا کرواسکتا ہے؟ وہی کرواسکتا ہے جس کے نتیجے میں سرمایہ کی بڑھوتری ہو۔ چنانچہ ہر شخص غلام ہے اور اجرت کما رہا ہے۔ جو لوگ اجرت نہیں کما رہے ہیں وہ ڈیویڈنڈ (Dividend) کما رہے ہیں یا سود۔ یہ سب کے سب اس بات پر انحصار کرتے ہیں کہ سرمایے کی بڑھوتری کیسے ممکن بنائی جائے؟ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کی خصوصیت ہے کہ اس میں ملکیت ختم ہوتی ہے، ذاتی ملکیت کی جگہ کارپوریٹ ملکیت لے لیتی ہے۔ کارپوریٹ ملکیت کے جگہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ مزدوری عالمگیر طریقہ ہو جائے۔۔۔ ہر شخص مزدور بن جائے۔۔۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ Financial Market غالب (Dominant) ہوتی چلی جاتی ہے۔

اصل بازار سود اور سٹے کے ہیں

اصلی بازار جو سرمایہ دارانہ معیشت میں فی الواقع قدر متعین کرتے ہیں وہ دو بازار ہیں۔۔۔ سود کا بازار اور سٹے کا بازار۔ یہ دونوں وہ بازار ہیں جہاں منافع کا حصول ممکن بنایا جارہا ہے۔ منافع کمایا کہیں بھی جارہا ہو، چاہے پیداوار (Production) میں کمایا جارہا ہو یا تقسیم اشیا کے ضمن میں۔۔۔ منافع کا حصول صرف فنانشل مارکیٹ کے ذریعے ہی ممکن ہوگا۔ چنانچہ ہر شے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(commodity) کی مارکیٹ اور ہر Factor مارکیٹ، یا کار کا بازار، پنکھے کا بازار، افراد کی محنت کا بازار وغیرہ وغیرہ، ان سب کی قدر سود اور سٹے کے بازار میں متعین ہو رہی ہے۔

قیمتیں سود اور سٹے کے بازار متعین کرتے ہیں

سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ داری نے جس چیز کو عام کیا ہے وہ ہیں سود اور سٹہ! یہی دو اقدار بازار میں قیمتوں کا تعین کرتی ہیں۔ اس طرح عملاً جو چیز عالمگیر ہوئی وہ سود اور سٹہ ہے۔ جتنی بھی مارکیٹیں ہیں سب اس کے زیر نگیں آ گئیں۔ جتنی بھی پیداواری (Production) مارکیٹیں، تبادلے کی (Exchange) مارکیٹیں، اشیاء (commodity) کی مارکیٹیں، Factor مارکیٹیں سب فنانشل مارکیٹ کے زیر نگیں آ گئی ہیں اور قدر (Relative Value) مارکیٹ میں متعین ہو رہی ہے۔ جہاں سود اور سٹہ کمایا جا رہا ہے وہیں منافع کا حصول ممکن (Realize) ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ سود اور سٹہ کی بنیاد پر جو قدر متعین ہوتی ہے اس کے اندر سرمایہ داری کی بنیادی غیر عقلیت (Irrationality) واضح ہوتی ہے۔ سرمایہ داری بنیادی طور پر ایک غیر عقلی (Irrational) نظام ہے۔ ایسا نظام ہے جو عقل کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ فنانشل مارکیٹ ہمیشہ بحران کا شکار رہتی ہے۔ سرمایہ دارانہ معیشتوں میں اس بات کا ہمیشہ امکان رہتا ہے کہ فنانشل مارکیٹ میں ایک بحران (Crisis) رونما ہو جائے۔۔۔ کیوں؟ اس لیے کہ سرمایہ دارانہ معیشتوں میں منافع (Profit) کا جو حصول ممکن (Realize) ہوتا ہے وہ تخمین وظن کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ میں اس پہ داؤ لگاتا ہوں کہ یہ کمپنی اگلی دفعہ کتنا منافع (Profit) کمائے گی۔ وہ اتنا منافع (Profit) نہیں کماتی، میرا داؤ خالی گیا۔ اگر ادائیگیوں (Obligations) اور دعووں (Claims) کے درمیان توازن (match) مستقل قائم نہ رکھا جا سکے تو ہر وقت اس کا امکان ہے کہ دعوے (Claims)، ادائیگیوں (Obligations) سے زیادہ ہو جائیں یا ادائیگیاں (Obligations)، دعووں سے (Claims) سے زیادہ ہو جائیں اور سرمایہ داری کی عمارت آناً فاناً زمین پر آ گرے۔ اسی لیے سرمایہ دارانہ ریاست کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس بحران (Crisis) کا مقابلہ (Tackle) مرکزی بینک کرے۔ اگر آزادانہ مسابقت و مقابلہ مارکیٹ کا اصل جوہر ہے تو مرکزی بینک دنیا بھر میں بحران کے موقع پر مداخلت کیوں کرتے ہیں؟ امریکی فیڈرل ریزرو بینک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے میکسیکو کے بحران میں اور مشرقی ایشیاء کے بحران میں جو کردار ادا کیا وہ سب نے دیکھا۔ چونکہ سرمایہ دارانہ تصورِ قدر ایک غیر عقلی (Irrational) تصور ہے لہٰذا قدر کی حیثیت کے بارے میں عملاً جو تخمینے لگائے جاتے ہیں وہ قابل حصول (Realize) نہیں ہوتے ہیں اور ہمیشہ اس کا امکان موجود ہوتا ہے کہ سرمایہ دارانہ بازاروں میں بحران موجود رہے۔ اس بحران میں سرمایہ دارانہ بازار کو بچانے کے لیے جو ایجنسی کام کرتی ہے وہ سینٹرل بنک ہے۔ سینٹرل بینک کے پاس بحران سے نبرد آزما ہونے کا جو آلہ ہے وہ مانیٹری پالیسی (Monetary Policy) ہے۔ اس آلہ کی ماہیت پر غور کرنے سے اس بات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو اُلٹا (Over Throw) کیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کبھی شروع ہوا ہے تو کبھی ختم بھی ہوگا، ایسا نہیں ہے کہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر وہ قوتیں کام کر رہی ہیں جو اس کو تباہ کر دیں گی۔ فنانشل (Financial) مارکیٹیں سرمایہ داری کی اس کمزوری کی ایک مثال ہیں۔

سرمایہ دارانہ ریاست کے تقاضے

جب ہم سرمایہ داری پہ گفتگو کرتے ہیں تو دراصل تین سطحوں پر گفتگو کرتے ہیں۔ (۱) سرمایہ دارانہ شخصیت (۲) سرمایہ دارانہ معاشرہ (۳) سرمایہ دارانہ ریاست۔ ان تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور سرمایہ دارانہ معاشرے ہمیشہ منضبط (Regulated) معاشرے ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ سرمایہ دارانہ معاشروں اور سرمایہ دارانہ معیشتوں کو ضابطے کا پابند رکھنے اور منضبط کرنے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ اس کام کا تمام تر دارومدار صرف اور صرف ریاست پر نہیں ہوتا۔ نجی شعبہ (Private Sector) بھی سرمایہ دارانہ معاشروں کو منضبط کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے عملاً اور حقیقتاً قوت کی تقسیم اور قوت کی ترتیب سرمایہ دارانہ معاشرے کے انضباط کا کام انجام دیتی ہے اور عموماً یا اب تک کی تاریخ میں تو یہ ریاست کے ذرائع سے ہی ممکن ہو سکا ہے۔ چنانچہ بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ ریاست کا کیا وظیفہ ہوتا ہے؟ سرمایہ دارانہ ریاست کا یہ وظیفہ ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو ممکن بنائے اور انہیں قائم رکھے جن پر سرمایہ داری کے تسلسل کا انحصار ہے۔ بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ ریاست اس چیز کا ادراک رکھتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظم معیشت اور سرمایہ دارانہ نظم معاشرت اور سرمایہ دارانہ نظم ریاست بھی ختم ہو سکتے ہیں، ان کو عبور کیا جا سکتا ہے ان سے ماوراء اٹھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاسکتا ہے۔لہٰذا سرمایہ دارانہ ریاستیں سرمایہ دارانہ معاشرت اور معیشت کو ناقابل عبور بنانے کی کوشش کرتی ہیں، تاکہ سرمایہ دارانہ معاشرت اور معیشت ہمیشہ قائم رہے اور سرمایہ دارانہ تصور معاشرت و معیشت پر غیر سرمایہ دارانہ تصورِ معیشت و معاشرت فتح نہ پا سکے۔

حرص وحسد کی عالمگیریت سرمایہ دارانہ اخلاقیات کے اجزاء

سرمایہ داری کے غلبے کے لیے جو تین وظائف ان ریاستوں کو ادا کرنے ہوتے ہیں اگر وہ ان وظائف کو ادا کرنے میں ناکام ہوتی ہیں تو سرمایہ داری کی دائمی حیثیت کو مختلف خطرات پیش آئیں گے۔سرمایہ داری ان خطروں سے نبرد آزما نہیں ہو سکے گی۔یہ تین وظائف کیا ہیں؟ پہلی چیز تو یہ ہے کہ حرص وحسد کو عالمگیر کیا جائے۔انسان اس چیز کو مستقل قبول کرتا رہے کہ زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ صرف (Consumption) پر ہے جسے آپ ویلفیئر (Welfare) کہتے ہیں! ویلفیئر فنکشن۔۔۔اگر آپ Macro اکنامکس میں دیکھیں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ ویلفیئر کو زیادہ سے زیادہ (Maximize) کیا جائے۔اس کو میکرو اکنامکس کی زبان میں Welfare is discounted consumption over a given life time. کہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ زندگی میں مجموعی طور پر کتنا خرچ کر سکے۔۔۔یہی ویلفیئر ہے۔یعنی آپ نے اپنی زندگی میں کتنا زیادہ خرچ (صرف یا consume) کیا۔اب اگر صرف کرنا زندگی کا مقصد ہو اور زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرنا زندگی کا مقصد قرار دیا جائے تو جس اخلاقیات کو اس فلسفے کی بنیاد بنانا پڑے گا وہ حرص وحسد کی اخلاقیات ہوگی۔اس اخلاقیات کا سرمایہ دارانہ نام competition and accumulation یا 'مسابقت اور بڑھوتری برائے بڑھوتری' ہے۔حرص کا مطلب بڑھوتری برائے بڑھوتری ہے۔۔۔اور حسد کا مطلب مسابقت ہے! تو سرمایہ دارانہ معاشرے کو قائم رکھنے کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حرص اور حسد عالمگیر ہوں۔۔۔ہر آدمی حرص وحسد کا بندہ بن جائے۔دوسری چیز یہ ہے کہ انسان یہ تصور کرے کہ کائنات ابدی ہے۔سرمایہ کی بڑھوتری کے ذریعے ہر انسان اس ابدیت میں شریک ہو جائے۔کائنات ابدی ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔انسان کی اپنی زندگی اگر ختم بھی ہو جائے گی تو وہ اتنا سرمایہ جمع کر لے گا کہ اس جمع شدہ سرمایہ (accumulated capital) میں اس کی شخصیت کی شمولیت باقی رہے گی۔یہ بڑا پرانا خیال ہے۔ارسطو کے وقت سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ خیال ہے کہ کائنات ابدی ہے اور مغربی تہذیب کا ایک بنیادی مفروضہ بھی یہی ہے کہ موت کو بھول جاؤ۔ دوسری چیز جس پر سرمایہ دارانہ معاشروں میں گفتگو ختم ہو جاتی ہے اور جس میں کوئی بھی ڈائیلاگ یا کلام (Discourse) نہیں ملتا وہ ہے موت پر گفتگو (Discourse of Death)۔ موت کا کوئی تصور سرمایہ دارانہ معاشرے میں فروغ نہیں پاتا۔ کوشش یہ ہے کہ آپ کائنات کو ابدی تصور کریں۔ اگر یہ دونوں چیزیں ممکن نہیں ہوتیں تو سرمایہ دارانہ شخصیت فروغ نہیں پا سکتی۔ تیسری چیز یہ ہے کہ آپ اس کو قبول کریں کہ سرمایہ داری میں تمام تر عدم مساویت کے باوجود -- باوجود اس کے کہ آپ کی حیثیت سرمایہ دارانہ معاشرے میں ابتر ہو -- اس کے مواقع ہمیشہ موجود رہتے ہیں کہ آپ اپنی پوری کوشش اور جستجو کے ذریعے اپنے آپ کو سرمایہ کا بہترین خدمتگار ثابت کریں۔ اس خدمت کے نتیجے میں آپ کو وہ انعام دیا جائے گا جو سرمایہ کی خدمت کرنے کا لازمی صلہ ہے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ معاشرہ میں ترقی اور مادی ترقی کے بہت زیادہ مواقع دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ مواقع ہر کسی کو نہیں بلکہ ایک خاص اقلیت کے لئے فراہم ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو سرمایہ کی خدمت کے لئے سب سے اہل ترین فرد ثابت کر سکے۔

سرمایہ دارانہ ریاست کے بنیادی کام

سرمایہ دارانہ ریاست کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ تین چیزوں کو قائم رکھے۔ (۱) حرص و حسد کی عالمگیریت، (۲) ابدیتِ دنیا اور (۳) تصورِ موت کا انکار اور فرار۔ مگر سوال یہ ہے کہ فی العمل سرمایہ داری نے اس نوعیت کی شخصیت اور اس نوعیت کی معاشرت کیسے قائم کی۔ سرمایہ داری پر بیسویں صدی میں دو دور گزرے ہیں ایک کو کہتے ہیں فورڈازم (Fordism) اور دوسرے دور کو کہتے ہیں پوسٹ فورڈازم (Post Fordism)۔ ان دونوں ادوار میں ریاست اور معاشرے کا تعلق مختلف رہا ہے۔ اور فرد اور اجتماعیت کا تعلق بھی مختلف رہا ہے۔ تو فورڈازم اور پوسٹ فورڈازم وہ طریقے، وہ نظام تعلقات اور وہ ضوابط ہیں، جن کے تحت سرمایہ دارانہ معاشرے کو بیسویں صدی میں منضبط کیا گیا ہے۔ بالخصوص دوسری جنگِ عظیم کے بعد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فورڈازم اور پوسٹ فورڈازم

میں کوشش کروں گا کہ اختصار کے ساتھ Fordism اور Post Fordism کا ایک تعارف پیش کروں جو یہ سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ عملاً سرمایہ دارانہ نظام کو کیسے قائم رکھا جاتا ہے۔ یہ عرض کرنے کے بعد بیسویں صدی میں مغربی تہذیب کے ارتقاء پر چند گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ سرمایہ داری اور جمہوریت ایک خاص تصورِ فرد اور ایک خاص تصورِ خیر پر قائم ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم مغربی تہذیب کے بنیادی فلاسفہ کے افکار و نظریات کا اسلامی محاکمہ مرتب کریں۔ اس ضمن میں مغربی فلاسفہ کے خیالات کا ایک بنیادی تعارف عالم اسلام اور علمائے کرام کے سامنے پیش کرنا اس لیے ضروری ہے کہ ان کے نظریات کا اسلامی مفکرین اور علمائے کرام اسلامی محاکمہ فرما سکیں۔

فورڈازم: نئی اجتماعیتوں کا ظہور و اجتماعی حقوق

فورڈازم [1933 تا 1980ء]: سرمایہ دارانہ نظام کی وہ تعبیر یا تنظیم ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد سے لے کر تھیچر اور ریگن کے برسر اقتدار آنے تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہی یعنی اس کا تاریخی دورانیہ 1933ء میں روز ویلٹ کے صدر بننے سے لے کر 1980ء تک قائم رہا۔ اس کا زمانہ عروج 1945ء کے بعد کا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے فروغ اور استحکام کے لیے اجتماعیت کے قیام کی ضرورت اور اہمیت اس تنظیم کے وجود کا جواز بنی۔ سرمایہ دارانہ نظام جس معاشرے پر مسلط کیا گیا اس معاشرے کی جو فطرتی اجتماعیتیں تھیں وہ شکست و ریخت کا شکار تھیں۔ ایک طرف مذہبی یعنی عیسائی اجتماعیت تھی دوسری طرف قوم پرست اجتماعیت۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بالخصوص سوویت روس کے عروج کے نتیجے میں ایک تیسری نوعیت کی اجتماعیت مغربی تہذیب میں ابھرنے لگی اور یہ اجتماعیت کلاس کی بنیاد پر قائم ہونے والی اجتماعیت تھی۔ یہ وہ اجتماعیت تھی جس کی بنیاد پر مزدور طبقہ اپنے حقوق کا مطالبہ بحیثیت ایک اجتماعیت کے کرنے لگا۔ یہ اجتماعیت سرمایہ داری کے خلاف ایک چیلنج ثابت ہو سکتی تھی۔ اس اجتماعیت کو سرمایہ دارانہ نظام میں ضم کرنے کے لیے ایک خاص حکمت عملی اپنائی گئی جس میں مزدوروں کو یہ حق دیا گیا اور یہ تسلیم کیا گیا کہ وہ سرمائے کے ساتھ اجتماعی طور پر سودے بازی (Bargaining) کر سکیں۔ اجتماعی طور پر اپنا حق سرمایہ دارانہ نظام سے حاصل کر سکیں۔ چنانچہ جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرانی اجتماعیتیں تھیں یعنی عیسائی اجتماعیت اور قوم پرست اجتماعیت انہیں پس پشت ڈال کر عام آدمی کو ایک ایسی اجتماعیت میں ضم کیا گیا جس کا مقصد وجود سرمائے سے اپنا حصہ وصول کرنا تھا۔ جس بنیاد پر یہ اجتماعیت قائم کی گئی وہ یہ تھی کہ سرمائے کی بڑھوتری سے سب کا فائدہ ہے لیکن سرمائے کی بڑھوتری میں حصے کی تقسیم منصفانہ نہیں ہوتی۔ فی الواقع حصے کی تقسیم ایسے ہوتی ہے کہ سرمائے کے مینیجرز اور سرمائے کے مالک زیادہ حصہ لے جاتے ہیں مزدوروں کو جو حصہ ملتا ہے وہ کم ملتا ہے۔ چونکہ مزدور سرمایہ کار کے مقابلے میں نہایت کمزور ہوتا ہے، اس کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ برابری کی بنیاد پر سودے بازی (Equal Bargaining) کر سکے۔ ناں ہی اس کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ مساویانہ معاہدہ (Contract) کر سکے۔ لہٰذا اس کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ اس کی ایک اجتماعی نمائندگی (Representation) ہو۔ اس نمائندگی کو ٹریڈ یونین کا نام دیا گیا۔ یہ ٹریڈ یونین ایک سیاسی جماعت تھی جس کو سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کہتے تھے۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کو بعد میں حکومت میں شریک کیا جاتا اور اس سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی پوزیشن یہ تھی کہ وہ مزدوروں کے اجتماعی حقوق (Collective Rights) کا تحفظ کرے گی۔ مزدوروں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ سرمایے کی بڑھوتری سے اپنا جائز حصہ حاصل کر سکے۔ امید کی جاتی تھی کہ اس طریقے سے مزدوروں کو انقلابی عمل سے باز رکھا جا سکے گا اور اس طریقے سے مزدوروں کو سرمایے کے عمل کی توثیق پر راضی کیا جا سکے گا، اس طرح سرمایے کی بڑھوتری سب کا مقصدِ عین بن جائے گی۔ ان معنوں میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹیز میں اور پرانی پارٹیوں مثلاً کنزرویٹو پارٹی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جتنے بھی Collective Bargaining ایجنٹ ہوتے تھے وہ سرمائے کی تقسیم سے متعلق ہوتے تھے نہ کہ سرمائے میں اضافہ کے جواز یا مقصد سے متعلق، کیونکہ فروغِ سرمایہ داری پر تو سب کا ایمان تھا۔ Collective Bargaining یعنی اجتماعی سودے بازی سے مراد یہ ہے کہ لیبر کی یونین اور لیبر کی سیاسی پارٹی سرمایہ داروں سے مذاکرات کرتی تھی کہ آئندہ اجرتیں کیا ہوں گی۔ مثلاً قیمتوں میں اضافہ اجرتوں کے اضافے کے راست متناسب ہو وغیرہ۔ ورکرز کو فیکٹری کے اندر بھی اور باہر بھی کچھ اجتماعی حقوق دیے جانے چاہئیں۔ یہ اجتماعی حقوق (Collective Rights) کا تصور Fordism کی بنیادی خصوصیت تھی۔ اجتماعی حقوق کا تصور یعنی لیبر کو بحیثیت ایک کلاس کے ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقوق دیئے جائیں جو سرمائے میں اضافے کو ممکن بنائیں اور اس طرح وہ سرمایہ داری میں برابر حصہ دار ہو سکے۔ برابری کی بنیاد پر معاہدہ (Equal Contract) کر سکے۔ فورڈازم 1980ء تک کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹیاں حکومتوں میں شریک ہوتی رہیں اور ان حکومتوں کا مقصد یہی تھا کہ مزدوروں کو راضی رکھ سکیں تا کہ وہ سرمائے کی توثیق کے عمل کو معاشرتی عمل کے واحد، تنہا ہدف کے طور پر قبول کریں اور اس میں محض اپنا حصہ مانگیں اور کہیں کہ ہمیں اتنا حصہ دیا جائے۔ اس طرح سرمایہ دارانہ نظام کو ایک عادلانہ نظام کے طور پر ثابت کرنے کا یہ نہایت کامیاب طریقہ تھا۔

فورڈازم نے کمیونزم کو نابود کر دیا

اس کے نتیجے میں کمیونزم مغربی دنیا میں تقریباً نیست و نابود ہو گیا۔ جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تھی تو آپ جانتے ہیں کہ حالات ایسے تھے کہ فرانس، یونان اور کئی ممالک میں کمیونسٹ پارٹی کا حکومت میں آنا تقریباً لازمی نظر آتا تھا۔ اس حکمت عملی پر عمل پیرا ہو کر اجتماعی سودے بازی (Collective Bargaining) کے عمل کی ادارتی صف بندی (Institutionalization) ممکن ہو سکی اور سوشل ڈیموکریٹک پارٹیز کو حکومت میں شریک کر کے انقلاب کے اس خطرے سے جان چھڑا لی گئی۔ اس کے نتیجے میں ایسا سرمایہ دارانہ نظام قائم ہوا جس میں مزدور، اس کی یونین اور اس کی سیاسی جماعت پوری طرح شریک ہو گئی۔ مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ یہ جو نئی اجتماعیت قائم کی گئی تھی -- لیبر کی اجتماعیت -- یہ نہایت بودی اور کمزور ثابت ہوئی۔ یہ اجتماعیت سرمایہ داری کو سہارا دینے سے قاصر ثابت ہوئی اور مزدوروں کی اجتماعیت خود بخود تحلیل (dissolve) ہونے لگی۔ جیسے جیسے سرمائے کی بڑھوتری کا عمل بڑھتا گیا اور عام ہوتا گیا اور جیسے جیسے سرمائے کی بڑھوتری کے عمل سے تمام افراد مستفید ہوتے گئے ویسے ویسے لیبر اجتماعیت کے قائم ہونے کا خطرہ بھی بتدریج ختم ہوتا گیا۔ لیبر کی اجتماعیت تو اس وقت تک قائم رہ سکتی تھی جب کہ فی الواقع سرمایہ کاری کے عمل میں ایک خاص عدم مساوات باقی رہے جس کے نتیجے میں عام آدمی، عام مزدور اس قابل ہی نہ ہو کہ اپنے آجر کے ساتھ معاملہ کر سکے۔ جس وقت اجرتیں بڑھنے لگیں اور تعلیم کا معیار عام ہونے لگا اس وقت مزدوروں کے اندر خود اس نوعیت کی مسابقت پیدا ہونے لگی کہ سوشل ڈیموکریٹک پارٹیز اور ٹریڈ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونینز فی العمل معطل ہو کے رہ گئیں۔ مثلاً 1970ء کے بعد سے تقریباً ہر یورپین ملک کی کیفیت یہ ہے کہ مزدوروں کی مجموعی تعداد سے تیس یا چالیس فیصد حصہ بھی یونینز میں شریک نہیں ہوتا۔ سوشل ڈیموکریٹک پارٹی سے زیادہ ووٹ وہ کنزرویٹو پارٹی اور رائٹ ونگ کی پارٹی کو دیتے ہیں۔ چنانچہ اجتماعی سودے بازی کا یہ عمل جو پہلے مزدوروں کا حصہ حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا غیر ضروری ہو کر رہ گیا۔

1980ء میں پوسٹ فورڈازم کا نظام

مزدور خود ان اجتماعیتوں یعنی یونینز اور سوشل ڈیموکریٹک پارٹیز کی اجتماعیتوں سے برأت کا اعلان کرنے لگے۔ چنانچہ 1980ء کے بعد سے جو نظام یورپ اور امریکہ میں قائم ہوا اُسے پوسٹ فورڈازم (Post Fordism) کہتے ہیں۔ اس پوسٹ فورڈازم کی تین چار خصوصیات میں سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مزدوروں کی اجتماعیتیں پارہ پارہ (Disorganization of Labour) ہو گئیں۔ مزدور جس طرح پہلے اپنی پارٹی یونینز کے ساتھ وفادار تھے وہ اب وفادار نہیں رہے اور منتشر ہو گئے۔ دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس دور میں سرمایے کا ارتکاز قومی سطح سے بڑھ کر بین الاقوامی سطح پر ہو گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے 1980ء تک میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یورپی سرمایہ کوئی چیز نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی چیز تھی جسے ہم جرمن، فرنچ، برطانوی یا امریکی سرمایہ کہہ سکتے ہیں۔ بین الاقوامی کمپنیاں (Multinational Companies) معیشت میں کم اہمیت رکھتی تھیں اور قومی کمپنیاں سرمایہ دارانہ معیشت کی روح رواں تھیں۔ عمومی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو سرمایہ داری 1980ء تک قائم رہی وہ قومی سرمایہ داری تھی۔ یعنی (National Capitalism) جس کے اندر بنیادی طور پر سرمایہ کا اپنی ترقی کے لیے تمام تر انحصار قومی ریاست پر تھا جب تک سرمایہ قومی یا ریاستی سطح پر ارتکاز کرتا تھا اس وقت تک قومی سطح پر مزدور طبقے کی اعانت کی شدید ضرورت تھی۔

1980ء کے بعد سرمایہ قومی نہیں عالمی ہو گیا

1980ء تک سرمایے کی ترسیل کے اوپر پابندیاں تھیں۔ سرمائے کی ترسیل کو متعین کرنے کے لیے جو نظام قائم تھا اسے Brettenwood System کہتے تھے۔ Brettenwood

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

System میں ایک مرکزی ادارے کا تصور دیا گیا۔ یہ ادارہ IMF (انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ) تھا جو زر کی قیمت متعین کرتا تھا۔ یعنی ایک زر کی قیمت دوسرے زر کے مقابلے میں متعین کرتا تھا اور زر کی ترسیل کے اوپر پابندیاں لگاتا تھا۔ اس طرح سرمائے کی ترسیل پر ریاست کا کنٹرول ہوتا تھا۔ اس نظام کا مقصد مزدوروں کو سرمایے کے ساتھ ملا کر ایک ایسی قومی حکمت عملی بنانا تھا جس کے نتیجے میں قومی سرمایہ کاری کی رفتار تیز سے تیز تر ہو۔ لہٰذا مزدوروں کی اجتماعیت کی ضرورت اس وجہ سے بھی تھی کہ سرمایہ بنیادی طور پر قومی سطح پر مرتکز ہوتا تھا لیکن بین الاقوامی سطح پر مرتکز نہیں ہوتا تھا۔ لیکن 1980ء کے بعد سے سرمایہ دارانہ نظام اور سرمایہ ریاست کی سطح سے بہت اوپر اٹھ گیا یعنی سرمائے کے ارتکاز کی سطح اب Global (عالمی) ہو چکی ہے۔ آج امریکی سرمایہ داری، جاپانی سرمایہ داری، فرنچ سرمایہ داری مہمل چیز ہے۔ سرمایہ تو عالمی ہے۔۔۔ کوئی کمپنی بھی۔۔۔ جاپانی، جرمن، امریکی کمپنی نہیں ہے۔ وہ ان معنوں میں کہ آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ اس کے زیادہ تر شیئر ہولڈر امریکی ہیں یا جاپانی۔ ان معنوں میں سرمایہ داری و سرمایہ کاری کے نظام میں بنیادی تبدیلی یہ آئی کہ سرمایہ کاری کا عمل ریاست سے اوپر اٹھ کر عالمی سطح پر ارتکاز حاصل کرنے لگا۔ ظاہر ہے کہ مزدوروں کی جو تنظیمیں تھیں وہ اس طریقے سے ریاست کے اوپر نہیں اٹھائی جا سکیں جس طریقے سے سرمایہ کاری کی تنظیم ریاست کو پھلانگ گئی۔ اس طریقے سے سرمایہ دارانہ سیاست کبھی ریاست کو عبور نہ کر سکی۔

پوسٹ فورڈازم کی خصوصیات

پوسٹ فورڈازم (Post Fordism) کی یہ خصوصیت اچھے طریقے سے سمجھ لیجیے کہ پوسٹ فورڈازم وہ دور ہے جب سرمایہ کاری عالمی سطح پر ہونے لگی۔ یعنی سرمایہ عالمی سطح پر ارتکاز حاصل کرنے لگا۔ اس کا تعلق قومی ریاست سے اور قومی مزدور یا غیر سرمایہ دارانہ قوتوں سے دوسری نوعیت کا ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر ریاست کو یا قومی اجتماعیتوں کو عبور کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ پوسٹ فوڈازم کی دوسری خصوصیت ہے۔ تیسری خصوصیت یہ کہ اس کے نتیجے میں جس وقت سرمائے نے ریاست کو عبور کر لیا تو (امریکہ کے علاوہ؛ امریکہ ایک استثناء ہے جس کو میں بعد میں بیان کروں گا یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں امریکہ کے معاملے میں اتنا صحیح نہیں ہے جتنا دوسری سرمایہ دارانہ ریاستوں اور سرمایہ دارانہ معاشرتوں کے بارے میں درست ہے۔ اسی لیے امپریلزم پر گفتگو الگ سے کی جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گی۔) عام سرمایہ دار ریاست کمزور ہوگئی۔ [امریکہ کمزور ریاست نہیں، نہایت طاقتور ریاست ہے۔ سرمائے نے اسے طاقتور بنایا ہے وہ کیوں اور کیسے اس کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی۔]

سرمایہ دار ریاست ویلفیئر ریاست نہیں ہوتی

پوسٹ فورڈازم کی عمومی خصوصیت یہ ہے کہ ریاست ایک کمزور ریاست ہوتی ہے، کمزور ان معنوں میں کہ اس کا یہ بس نہیں چلتا کہ وہ سرمایے کو اپنے ارادے کا ماتحت کر سکے اس لئے ریاست کی یہ قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے کہ سیاسی عمل کو معاشی عمل پر مسلط کر سکے۔ اس کے وسائل کم ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ مراعات جو اس نے مزدور طبقے کو دی تھیں وہ دینے کے قابل نہیں رہتی۔ چنانچہ عموماً موجودہ دور کی سرمایہ دارانہ ریاستیں ویلفیئر ریاستیں نہیں ہوتیں۔ ویلفیئر ریاست ہونے کی ضرورت بھی اس کے لیے اتنی نہیں رہتی، جتنی پہلے تھی اور اس کے اندر وہ قوت بھی نہیں ہوتی کہ وہ ویلفیئر ریاست رہے (اس کی تفصیلات پورے طور پر یہاں نہیں سموئی جا سکتیں)۔ ویلفیئر ریاست کا قیام آج سرمایہ دارانہ نظام میں ممکن نہیں ہے اور وہ لوگ جو اس قسم کی بات کرتے ہیں کہ ویلفیئر ریاست قائم ہو، دراصل سرمایہ داری کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ یہ 1970ء اور 1980ء سے پہلے کے دور میں جو سرمایہ داری ویلفیئر تھی اسی کا کوئی کلاسک ماڈل سمجھتے ہیں۔ اصل میں انہیں پتہ ہی نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ویلفیئر ریاست کی تمام گفتگو مہمل ہے، اور بالخصوص اسلامی ویلفیئر ریاست کے نظریے کے مبلغ لوگ، میری خیال میں، ویلفیئر ریاست کو بالکل نہیں جانتے۔ اسلامی ویلفیئر تو ظاہر ہے میری رائے میں ممکن ہی نہیں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ ریاست سے اوپر اٹھ جاتا ہے جبکہ سیاسی تنظیم یعنی سیاسی صف بندی ریاستی سطح سے اوپر نہیں اٹھ پاتی۔ پوسٹ فورڈازم نظام میں ریاستی کمزوری کا اظہار دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ سرمائے کی ترسیل کے اوپر پہلے جتنی حد بندیاں قائم کی گئی تھیں وہ بتدریج ختم کر دی جاتی ہیں۔ مثلاً Brettenwood System بالکل ختم ہوگیا اور IMF کا وہ کردار بالکل نہیں رہا۔ اس وقت IMF از رمبادلہ کو متعین کرنے میں سرے سے کوئی کردار ادا نہیں کرتا اور سرمایہ دارانہ ممالک میں پیسے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پر سرے سے کوئی پابندی نہیں۔ چنانچہ سرمائے پر جتنی تحدید پہلے قائم کی گئی تھی وہ تقریباً سب ختم ہو چکی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فی الواقع سرمایہ دارانہ ریاست سرمائے کے ماتحت ہوگئی۔ سرمایہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہایت سیّال ہو جاتا ہے۔ سیّال ان معنوں میں کہ سرمایہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نہایت آسانی سے منتقل ہوتا رہتا ہے۔ منٹوں سیکنڈوں میں سرمایہ ایک ملک کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں چلا جاتا ہے۔ سرمایہ اپنی بڑھوتری کے تمام ذرائع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے معاملے میں خودمختار ہو جاتا ہے اور ریاست کی سطح سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ریاست کو عبور کر سکے۔۔۔ ریاست کو ماتحت اور زیر کر سکے۔ اس کا ایک اظہار تو اس چیز میں ہوتا ہے کہ ریاست خود سرمائے کی باج گزار ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ براہِ راست یا بلاواسطہ مزدور کو سرمائے کے ماتحت کر دیا جاتا ہے اور جو چیز اجتماعی سودے بازی (Collective Bargaining) کی صلاحیت کی جگہ لیتی ہے اس کو Total Quality Management یا Human Resource Management کہتے ہیں۔ ہر کمپنی اپنے مزدوروں کو ایسے منظم کرتی ہے جیسے وہ سرمائے کو منظم کرتی ہے۔ مزدور بذاتِ خود سرمایہ بن جاتا ہے جسے آپ انسانی سرمایہ (Human Capital) کہتے ہیں۔ انسانی سرمائے کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ کہ ہم کسی بھی انسانیت کا اقرار نہیں کرتے، ہر چیز سرمایہ ہے۔۔۔ مشین بھی سرمایہ ہے، زمین بھی سرمایہ ہے، اور اسی طرح مزدور بھی سرمایہ ہے۔

HRM سرمایہ داری کو مستحکم کرنے کی حکمت عملی

سرمایہ داری کو توسعت اور استحکام بخشنے کیلئے Total Quality Management (TQM) اور Human Resource Management (HRM) جیسے نام نہاد نئے علوم ایجاد کیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد اس اجتماعیت (Collectivity) کو ختم کرنا ہے جس کی بنیاد پر سرمایہ اور محنت اس بات کا تعین کرتے تھے کہ کس طریقے سے حصہ بانٹا جائے۔ HRM اور TQM وہ ذریعہ ہے جس سے ہم سرمائے کے اندر محنت کو ضم کر دیتے ہیں اور ہر شخص سے کہتے ہیں کہ تمہارا ذاتی فائدہ اسی میں ہے کہ تم بھی سرمائے کی بڑھوتری میں اسی طریقے سے اپنی ذات کو مدغم کر دو جس طریقے سے مینیجر اور سرمائے کا مالک اپنی ذات کو مدغم کرتے ہیں۔ مزدور اور مینیجرز کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ دونوں یکساں طور پر سرمائے کے خادم ہوتے ہیں اور انہیں کسی اجتماعی حق (Collective Right) کی ضرورت نہیں رہتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری خود اجتماعیت بن چکی ہے

سرمایہ دارانہ نظام میں اجتماعیت (Collectivity) کا باقی رہنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ سرمایہ داری، عیسائیت، قوم پرستی اور مزدوروں کی اجتماعیتوں کا خاتمہ کر چکنے کے بعد خود ایک اجتماعیت بن چکی ہے۔ سرمائے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مسابقت کو فروغ دیتا ہے۔ مسابقت کس میں ہوتی ہے؟ افراد میں ہوتی ہے۔۔۔ آخر کار سرمایہ داری نے عیسائیت کو ختم کر دیا۔ سرمایہ داری نے قوم پرستی کو ختم کر دیا۔ تو سرمایہ داری مزدور طبقے کی اجتماعیت (Collectivity) کو کیسے قائم رکھ سکتی تھی۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ سرمایہ داری کو اس سطح پہ پہنچانے کے لیے جہاں وہ ہر اجتماعیت کو ختم کر دے، اس بات کی ضرورت تھی کہ خود ایک سرمایہ دارانہ اجتماعیت بنائی جائے۔ اس لیے کہ پہلے جو عام آدمی تھا اپنے آپ کو مزدور تو نہیں سمجھتا تھا۔۔۔ وہ اپنے آپ کو عیسائی سمجھتا تھا۔۔۔ اپنے آپ کو جرمن سمجھتا تھا۔۔۔ کچھ اور سمجھتا تھا وہ سرمایہ دارانہ نظام کا کوئی عمل اگر اس کی اس حیثیت سے متصادم ہوتا تھا کہ وہ ایک جرمن تھا۔ ایک عیسائی تھا تو وہ سرمایہ دارانہ نظام کی مزاحمت کرتا تھا۔ اس مذہبی و قومی مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے ایک ایسی اجتماعیت پیدا کی گئی جس کے نتیجے میں ہر آدمی کی وفاداری (Loyalty) قوم کے ساتھ یا مذہب کے ساتھ رہنے کے بجائے سرمایے کے ساتھ ہو جائے۔ اسلئے یہ اجتماعیت پیدا کرنا سرمایے کی ایک ضرورت تھی لیکن اب وہ اس ضرورت سے بھی پیچھا چھڑا چکا ہے۔

اجتماعی حقوق کی جگہ حقوق انسانی

سرمایہ دارانہ نظام کو ایک ایسی اجتماعیت کی ضرورت تھی جو سرمائے کے فروغ کو بھی ممکن بنائے اور اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری سے متصادم تمام اجتماعیتوں کو ختم کرے لیکن Post-Fordism میں مزدور طبقے کی اجتماعیت بھی سرمایہ داری کے لیے ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے، لہٰذا اس کا انہدام بھی سرمائے کے عمومی تحفظ کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ Post-Fordism میں اجتماعی حقوق کی بجائے انسانی حقوق (Human Rights) کی جدوجہد ضروری سمجھی گئی۔ Human Rights کا فروغ سرمایہ داری کے عمومی تحفظ کی ضمانت ہے، لہٰذا انسانی حقوق کی اصلیت کو سمجھنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسانی حقوق سرمایہ کی بڑھوتری کا ذریعہ ہیں

انسانی حقوق سرمایے کی بڑھوتری کو ممکن بنانے کے ذرائع ہیں۔ جیسے کسی نے کہا ہے:

Human Rights are the observers of the duty to accumulate the capital

سرمایہ دارانہ معاشرے میں فرض کیا ہے؟ سرمایے کی بڑھوتری! اس فرض کو ادا کرنے کے لیے کچھ حقوق دیے گئے ہیں بالکل جیسے اللہ تعالیٰ اگر ہمیں ارادہ عطا نہ کرتے تو ہم نماز ادا نہیں کر سکتے تھے یا فرض کریں ہم جانوروں کی طرح ہوتے تو ہمارے لیے نماز ممکن نہیں تھی۔ اسی طریقے سے سرمائے کی بڑھوتری کو ممکن بنانے کے لیے بھی کچھ ذرائع کی ضرورت تھی۔۔۔ انسانی حقوق وہ ذرائع ہیں جو انسان کو یکسو کر دیتے ہیں اس بات پر کہ زندگی کا مقصد صرف سرمائے کی بڑھوتری ہے۔ Post-Fordism کا بنیادی وظیفہ یا بنیادی ایمانیات 'انسانی حقوق' (Human Rights) ہیں۔ جس چیز کو وہ فروغ دینا چاہتی ہے وہ انسانی حقوق ہیں۔ جس وقت کسی معاشرے میں انسانی حقوق عام ہو جائیں تو ہر شخص اس بات پر مطمئن ہو جائے گا کہ اجتماعیت (Collectivity) کوئی فیصلہ بھی کیوں نہ کرے وہ تو بحیثیت ایک فرد کے اپنے آپ کو سرمائے کی بڑھوتری کی نذر کر چکا ہے اور انسانی حقوق وہی حقوق ہیں جن کے ذریعے سرمائے کی بڑھوتری کو ممکن بنایا جاتا ہے۔ اگر انسانی حقوق ایک سوسائٹی میں موجود نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ سرمائے کی بڑھوتری کے قابل نہیں رہتی۔ انسانی حقوق وہ حقوق یا ذرائع ہیں جو اس فرضیت کی ادائیگی کو ممکن بناتے ہیں جسے ہم سرمائے کی بڑھوتری کہتے ہیں۔ چنانچہ Post-Fordism سوسائٹی میں اجتماعی حقوق (Collective Rights) کی جگہ انسانی حقوق (Human Rights) لے لیتے ہیں۔

انسانی حقوق ایک خاص تاریخ کی تخلیق ہیں

جس کا مقصد محض سرمائے کی بڑھوتری ہے۔۔۔ کسی بھی تصور کو تاریخ سے سہو نظر کر کے اس کی مجرد حیثیت میں لے لینا نہایت خطرناک بات ہے۔ انسانی حقوق (Human Rights) کی تاریخ سے واقف ہوئے بغیر انسانی حقوق کے اوپر کچھ کہنا یا لکھنا یا ہیومن رائٹس کی دوسری تعبیر پیش کرنا ہیومن رائٹس کی حقیقت اور اصلیت سے دانستہ سہو نظر کرنا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم مغربی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصطلاحات کی تاریخ اور فلسفے سے واقفیت کے بغیر ان اصطلاحات کے غلط اردو تراجم کی بنیاد پر مغرب کا اسلامی محاکمہ کرتے ہیں۔ ہیومن رائٹس کی آپ کوئی بھی تعریف بیان کریں تاریخ میں ہیومن رائٹس وہی ہیں جو مغرب نے قائم کیے اور ہیومن رائٹس وہی ہیں جو ہر فرد کو سرمایے کی بڑھوتری کو ممکن بنانے کے وسائل فراہم کرنے کے لئے عطا کئے گئے۔ اگر ہیومن رائٹس کے لئے وسائل موجود نہ ہوں تو سرمائے کی بڑھوتری ممکن نہیں ہوسکتی اسی لیے کسی بھی ایسے تصور کو جو غیر اسلامی تاریخ سے نکلا ہے اسلامی جامہ پہنانے کی کوشش ایک نہایت خطرناک بات ہے۔ اس کا فلسفہ اور اس کے اعتقادات دوسرے ہیں لہٰذا اسلامی جمہوریت، اسلامی انسانی حقوق، اسلامی ویلفیئر اسٹیٹ یہ تمام چیزیں دراصل اسلام کو مغربی تہذیب میں ضم کرنے کے ذرائع ہیں اور اسلام کی انفرادیت کو مجروح کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ ایسا کرنے والوں کی نیت اور اخلاص میں کوئی شک کرنا درست نہیں مگر اس کا سبب محض لاعلمی ہے، لہٰذا ان اہم معاملات کی طرف علماء کرام اور صوفیائے عظام کو خاص طور پر متوجہ کرنا چاہیے کہ مغربی تاریخ سے اور بالخصوص مغربی Intellectual History سے، مغربی فکری تاریخ سے خوب اچھی طرح واقف ہوں تاکہ مغربی فلسفے کی اسلام کاری کی کوشش کو ناممکن بنایا جاسکے۔

انسانی حقوق کے حوالے سے عالم اسلام کو زبردست خطرہ درپیش ہے۔ انسانی حقوق کو اسلامی جواز فراہم کیا جارہا ہے۔ انسانی حقوق کی تاریخی حقیقت اور انسانی حقوق کی تاریخی حیثیت سے واقف ہوئے بغیر اس خطرے کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات اچھے طریقے سے سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت سرمایہ داری کی مزاحمت مغرب میں اس وجہ سے کمزور نہیں پڑی کہ یہ کوئی Technological ضرورت ہے یعنی سرمایہ کی بالادستی اور عالمگیریت کی کوئی دوسری اجتماعیت (Collectivity) بالخصوص مزدوروں کی اجتماعیت نہیں کرسکتی۔ اس کی کوئی ٹیکنالوجیکل بنیاد نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ نئی ٹیکنالوجی کارکنوں کے شعبے کو زیادہ طاقتور بنادیتی ہے اور ایک شعبہ کو دوسرے شعبے کے مقابلے میں کھڑا کرتی ہے۔ اس ٹیکنالوجی کے نتیجے میں یہ نہیں ہوتا کہ قوت مزدوروں سے نکل کر مینیجرز کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ کارکنوں کے ایک گروہ کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے گروہ کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے لیکن دوسرا گروہ اپنے آپ کو انتظامیہ کا حصہ سمجھتا ہے اور اسی وجہ سے اس وقت سرمایہ داری کے خلاف مزاحمت (Resistance) مغربی دنیا میں موجود نہیں ہے اور اسی وجہ سے سوشل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈیموکریٹک جماعتیں کنزرویٹو جماعتوں کے پروگرام ہی پیش کر رہی ہیں۔

پوسٹ فورڈازم کا مذہب انسانی حقوق اور سرمایہ کی غلامی

اس طرزِ عمل کے باعث مغرب بالخصوص یورپ میں مزدوروں کی اجتماعیت (Collectivity) نہ صرف منتشر ہوگئی ہے بلکہ ختم ہوگئی ہے اور مزدور اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ وہ انسانی حقوق کو براہِ راست حاصل کریں گے، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ Fordism اور Post-Fordism میں بنیادی طور پر اعتقادی فرق موجود ہے۔ اعتقادی فرق سے مراد یہ ہے کہ پہلے مزدور طبقہ یہ سمجھتا تھا کہ Collective Rights کے بغیر وہ سرمایہ کاری کے عمل سے پورے کے پورے طور پر مستفید نہیں ہو سکتا جبکہ Post-Fordism دور میں مزدور طبقہ اپنے آپ کو بحیثیت ایک اجتماعیت کے تسلیم نہیں کرتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ انسانی حقوق کا طریقہ کار (Discourse) ہی عالمی طریقہ کار (Universal Discourse) ہے۔ ہر آدمی سرمایہ دارانہ معاشرے کا حصہ ہے اور ہر آدمی کی زندگی کا مقصد سرمائے کی بڑھوتری اور فروغ ہے اور ہر آدمی اگر صحیح جدوجہد اور جستجو کرے گا تو اس کو سرمائے کی بڑھوتری کا فائدہ پہنچے گا۔۔۔ یہ چیز انسانی حقوق کو ممکن بناتی ہے۔ Fordism سے Post-Fordism میں تبدیلی کسی تکنیکی بنیاد پر نہیں ہوئی بلکہ یہ عمل اعتقادی تبدیلی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ سرمایہ داری کی اس کامیابی کے باعث سرمایے نے ہر آدمی کو براہِ راست سرمایہ کاری کے عمل میں شریک کر دیا۔ ہر شخص سرمایے کا خادم ہے اور موجودہ Post-Fordism کے نظمِ سرمایہ داری میں طبقات موجود نہیں، کوئی سرمایہ دار نہیں، کوئی مزدور نہیں، ہر شخص سرمایے کا خادم ہے۔۔۔ غلام ہے۔۔۔ سرمایہ کی خدمت ہی اصل بندگی ہے اور ہیومن رائٹس اس کا مذہب ہے۔

مغرب میں انسانی حقوق نے مذہب کی جگہ لے لی

چونکہ سرمایہ کی پرستش ہی اصل مذہب ہے اس لیے سرمایہ دارانہ معاشرے میں مذہب کی جگہ جس چیز نے لی ہے وہ ہیومن رائٹس ہیں۔ ہیومن رائٹس پر سب کا اعتماد ہے اور سب اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر کسی طریقے سے فلاح حاصل کرنا ہے تو سرمائے کی بڑھوتری میں حصہ لینا ہے، لہٰذا کسی نہ کسی طریقے سے سرمائے کی بڑھوتری کے عمل میں شریک ہوں۔ ان معنوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو عمل سترہویں صدی میں جب یورپ کے اندر 'خدا کا بندہ' (Subject of God) تھا وہ 'خدا کا بندہ، 'سرمائے کے بندے' میں تبدیل ہو گیا۔ (Subject of God has been transformed into subject of capital) یہ پورا عمل Post-Fordism کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ Post-Fordism کے باعث مغربی تہذیب میں اب ایک عام آدمی کی حیثیت (Subjectivity) سرمایہ خود متعین کرتا ہے۔ مغرب کا آدمی پہلے خدا کی پرستش کرتا تھا، اس کے بعد وہ قوم کی پرستش کرتا تھا۔۔۔ اب وہ نہ خدا کی پرستش کرتا ہے نہ قوم کی۔۔۔ بلکہ وہ سرمائے کی پرستش کرتا ہے! مختصر طور پر ہم اس پورے تاریخی عمل کو بیان کریں تو تین جملوں میں اسے سمویا جا سکتا ہے:

"Subject of God has been transformed into the subject through the displacement of Christianity by collective rights and through the displacement of collective rights by human rights."

اصل رب، حق اور خیر صرف سرمایہ ہے

سرمایہ داری نے پہلے عیسائی تصورِ خیر و حق کو اجتماعی تصورِ خیر اور اجتماعی تصورِ حق سے تبدیل کیا۔ یہ عمل سوشلزم اور سوشل ڈیموکریسی نے کیا اور اس کے بعد اجتماعی تصورِ حق کو انسانی حقوق کے ذریعے تصورِ حق میں تبدیل کیا گیا اور یہ کام Post-Fordism کے اندر ممکن ہوا۔ یہ جو اجتماعیتوں (Collectivities) کا اختتام ہے یہ خود سرمائے کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے، اس لیے کہ جب آپ معاشرے کو اس طریقے سے منتشر کر دیتے ہیں کہ معاشرے میں خاندان، برادری، قبیلہ، مذہب کی بنیاد پر صدیوں سے قائم اجتماعیتیں ریزہ ریزہ کر دی جائیں اور ہر شخص کو تنہا کر کے سرمایے کا خادم بنا دیا جائے تو سیاسی عمل مہمل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ زندگی کا اکیلا کام سرمائے کی خدمت ہے تو یہ محض تکنیکی کام رہ جاتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ سرمائے کی خدمت کس طریقے سے کی جائے۔ سیاسی اختلاف کی گنجائش سرے سے ختم ہو جاتی ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام نے اپنی جو توجیہہ بیان کی ہے وہ آزادی ہی کے تناظر میں بیان کی ہے جس کے نتیجے میں انسان سرمایہ کا بندہ حق اور خیر سرمایہ [Capital] کے مترادف بن جاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ چنانچہ سیاسی اختلاف کا ختم ہو جانا جمہوریت کے ختم ہو جانے کے سوا کوئی کچھ نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جمہوریت کے بارے میں کوئی ولولہ (Enthusiasm) اس وقت سرمایہ دارانہ معاشروں میں تقریباً ناپید ہو کر رہ گیا ہے۔ امریکہ کے گزشتہ صدارتی انتخابات میں پچاس فیصد سے کم رائے دہندگان نے حصہ لیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے (یعنی نکسن کے انتخابات کے بعد) جمہوریت سے برأت کا عمل پورے مغرب میں عام ہے۔ اسے کہتے ہیں شہریت سے علیحدگی کا عمل (Withdrawal from Citizenship)۔

کیا ویلفیئر اسٹیٹ کا قیام ممکن ہے؟

مغربی معاشروں میں زندگی کے بے معنی ہونے کا تصور اس سیاسی بیزاری اور سیاسی عمل سے لاتعلقی کا ایک اظہار بھی ہے۔ یہاں تو صرف اس بات کا ادراک کرنا ہے کہ اجتماعیتوں کا ختم ہو جانا Post-Fordism کی بنیادی کمزوری ہے اور اس بنیادی کمزوری سے اس طریقے سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا کہ انہی اجتماعیتوں (Collectives) کو دوبارہ قائم کیا جائے جن کو Post-Fordism نے ختم کیا ہے۔ جو لوگ جمہوریت کو ذریعۂ تبدیلی سمجھتے ہیں بنیادی طور پر Collective Rights کی بنیاد پر وہ اجتماعیتوں کو قائم کرنا چاہتے ہیں جن کو سرمایہ داری نے خود ختم کیا ہے۔ جس اجتماعیت کو ہمیں قائم کرنا ہے وہ ایسی اجتماعیت ہے جو سرمایہ دارانہ حقوق کا انکار کرے، چاہے وہ Collective Rights ہوں یا Human Rights۔ سرمایہ داری کا انکار اور سرمایہ دارانہ حقوق کا انکار ایک ہی چیز کے دو نام ہیں تو اگر فی الواقع Post-Fordism دور میں سرمایہ دارانہ نظام کو Transcend کرنا ہے۔۔۔ عبور کرنا ہے تو۔۔۔ ایک ایسی اجتماعیت قائم کرنا ہوگی جو سرمایہ دارانہ حقوق کو رد کرے۔ اس کے برعکس اگر آپ ویلفیئر رائٹس کی بنیاد پر سرمایہ دارنہ نظام کو قائم کریں گے تو آپ صرف ویلفیئر اسٹیٹ قائم کر کے Post-Fordism سے Fordism کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کریں گے جو فی العمل ناممکن ہے۔ سرمایے کے بین الاقوامی ارتکاز کے باعث جس Transition کی کوشش کر رہے ہیں وہ سرے سے ممکن ہی نہیں۔ فرض کیجیے اگر ممکن ہو بھی جائے تو وہ سرمایہ داری کی ہی تجدید ہے، سرمایہ داری کا ہی احیاء ہے۔ اگر فی الواقع آپ اجتماعی حقوق کی بنیاد پر ایک نئی اجتماعیت (Collectivity) کے قیام کی کوشش کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور اس میں کامیاب ہوتے ہیں تب بھی وہ محض سرمایہ داری کا احیاء ہے۔ لہٰذا سرمایہ داری کو عبور کرنا اور سرمایے کی بڑھوتری کو مقصد حیات کے طور پر رد کرنا ہے تو آپ کو لازماً ایک ایسی اجتماعیت پیدا کرنا ہے جو سرمایہ داری کو رد کرے اور سرمایہ دارانہ حقوق کو رد کرے۔ ظاہر ہے ہمارے اور آپ کے ملک میں وہ اکیلی اجتماعیت اسلام کی اجتماعیت ہے جس کے اندر سرمائے کی بڑھوتری کو زندگی کا مقصد بنانے کا سرے سے کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ مجھ جیسے جاہل اور بے عمل آدمی کو تو یہی معلوم ہے کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں۔۔۔ سرمائے کی عبادت نہیں کرتے۔۔۔ اور سرمائے کی عبادت کو خدا کی عبادت کا ذریعہ بھی نہیں سمجھتے۔۔۔ میں تو یہی سمجھا ہوں!!! ہر وہ عمل جس کے نتیجے میں سرمائے کی عبادت کو جائز کیا جاتا ہے وہ دراصل اسلام کو کمزور کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا باب

سرمایہ دارانہ شخصیت کے اجزائے ترکیبی

مغرب اور اسلام کا تصور خیر اور حق

اس باب میں اختصار کے ساتھ مغربی مفکرین کے حوالے سے اس تصورِ حق (Right) اور تصورِ خیر (Good) کی وضاحت پیش کروں گا جس تصورِ حق اور تصورِ خیر پر سرمایہ داری اور جمہوریت قائم ہیں۔ میں ان کے مفکرین کے اساسی تصورات اور فکر پیش کروں گا۔ اس جائزے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام کے تصورِ حق و خیر اور مغرب کے تصورِ حق و خیر میں کسی قسم کی کوئی مماثلت نہیں ہے اور دونوں نظام ہائے حق و خیر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے مابین کسی قسم کا مکالمہ ممکن نہیں۔ اس وقت کرنے کا کام یہی ہے کہ ان مغربی مفکرین اور فلاسفہ کا اسلامی محاکمہ پیش کریں جن کے نظریات پر مغربی تہذیب، اس کا فلسفہ اور اس کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ لہٰذا علماء اور طلبہ کی توجہ کیلئے بڑے بڑے مغربی مفکرین اور فلاسفہ کے حوالے سے چند عمومی باتیں مختصراً پیش کی جارہی ہیں۔

کسی بھی نظامِ فکر میں سب سے بنیادی مسئلہ تصورِ ذات یعنی Self کا مسئلہ ہے۔ میں مغرب کی اصطلاحات ہی استعمال کروں گا۔ Self کو Self ہی کہوں گا ذات نہیں کہوں گا اور دوسرے تصورات بھی انہی کی اصطلاح میں بیان کروں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً مجھے ان کا ترجمہ معلوم نہیں، دوسرے یہ کہ تصورات (Concepts) کا ترجمہ پیش کرنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ مثلاً حیا کا کوئی انگریزی ترجمہ نہیں کیا جاسکتا یا غیرت کا کوئی ترجمہ انگریزی میں نہیں کیا جاسکتا۔ انہی معنوں میں میں سمجھتا ہوں کہ Self کا کوئی ترجمہ ممکن نہیں۔ جیسے Ontology کا کوئی ترجمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے ہاں بہت مشکل ہے۔ یہ علمائے کرام ہی کا کام ہے کہ ان مغربی تصورات کا اسلامی محاکمہ کریں اور واضح کریں کہ اسلامی علوم میں ان کی کیا حیثیت ہے۔

گفتگو کا محور بیسویں صدی کا فلسفہ ہے۔ لیکن بیسویں صدی کے فلسفہ میں تصور فرد (Theory of Self) یا تصورِ ذات کو سمجھنے کے لیے چند اجمالی باتیں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے نمایاں فلسفیوں کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیسویں صدی میں مغرب میں کوئی صف اول کا مابعد الطبیعیات دان (Metaphysician) پیدا نہیں ہوا ہے۔ یا کم از کم میری ناقص رائے میں ایسا ہی ہے۔ مغرب فکری طور پر (Intellectually) بانجھ ہے۔ بالخصوص الٰہیات اور مابعد الطبیعیات کے دائرے میں بیسویں صدی میں مغرب میں کوئی بنیادی کام نہیں ہوا ہے۔ بنیادی طور پر اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مفکرین کے کام پر ہی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ یہ بات مابعد الطبیعیات اور اخلاقیات دونوں شعبوں کے بارے میں بلا خوف کہی جا سکتی ہے۔

اٹھارویں صدی میں جس فکر نے عیسائیت کو شکست دی اس کی دو شاخیں تھیں:

۱۔ تحریک تنویر (Enlightenment)

۲۔ تحریک رومانویت (Romanticism)

یہ دونوں تحریکیں مغربی تہذیب کی روح رواں ہیں۔ مغربی تہذیب کے بنیادی آدرش انہی تحریکوں سے حاصل ہوتے ہیں اور مغربی تہذیب کے بنیادی تصورات، عقائد و افکار و نظریات فی الحقیقت تحریک تنویر اور تحریک رومانویت ہی سے نکلے ہیں۔

تحریک تنویر کی علمیات

یہ دونوں تحریکیں بنیادی طور پر وحی کا انکار کرتی ہیں۔ انہی معنوں میں یہ عیسائیت کا بھی انکار ہیں۔ پروٹسٹنٹ (Protestantism) عیسائیت نے اس انکار کا اولین جواز فراہم کیا تھا۔ پروٹسٹنٹ ازم کا بانی لوتھر کفر کے غلبہ کے سلسلہ میں اصل مجرم ہے۔ عقل انسانی کو وحی کی تعبیر اور تفسیر کا واحد ذریعہ قرار دے کر اور اجماع کی حجیت کو رد کر کے اس نے انکار وحی کی تحریکوں کے لیے زمین ہموار کی۔ اس نے عیسائی تناظر میں وحی کے انکار کی عمومی قبولیت کے لیے بنیادیں فراہم کیں۔ وحی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انکار سے مراد کیا ہے؟ وحی کے انکار سے مراد یہ ہے کہ عقل استقرائی (Inductive Reason) اور عقل استخراجی (Deductive Reason) کو استعمال کر کے حقیقت (Ontology) تک رسائی ہو سکتی ہے۔ عقل وحی اور علم لدنی کے بغیر ان سوالات کا جواب دے سکتی ہے کہ انسان کیا ہے، انسان کی کائنات میں حیثیت کیا ہے، وغیرہ۔۔۔ یہ Ontological سوالات ہیں۔ عیسائیت یہ کہتی تھی کہ ان Ontological سوالات کا جواب وحی کے بغیر نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے لیکن تحریک تنویر اس بات کی داعی ہے کہ ان سوالات کا شافی وکافی جواب انسانی عقل کے ذریعہ مل سکتا ہے۔ اس کے لیے کسی ماورائی ذریعہ علم کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طریقہ سے عقل کو استعمال کرتے ہوئے ریاضی اور منطق کے مسائل حل کیے جا سکتے ہیں اسی طریقہ سے عقل کو استعمال کر کے مابعد الطبیعیاتی حقائق اور حقیقت انسان وکائنات کے بارے میں مسائل بھی حل کیے جا سکتے ہیں۔

بنیادی ذریعہ علم عقل ہے

یہ تحریک تنویر کی علمیات (Epistemology) ہے۔ اس علمیات کے مطابق اس قسم کے سوالات کہ تم کون ہو؟ تم کہاں سے آئے ہو؟ تم کہاں جاؤ گے؟ تمہیں کیا کرنا ہے؟ کائنات کی حیثیت کیا ہے؟ تخلیق کے عمل کی حیثیت کیا ہے؟ وغیرہ۔۔۔ ان سب سوالات کے جوابات عقل استقرائی اور عقل استخراجی کی مدد سے دیئے جا سکتے ہیں۔

تحریک رومانویت کی علمیات

تحریکِ تنویر کے برعکس تحریکِ رومانویت (Romanticism) یہ قرار دیتی ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ عقل استقرائی اور عقل استخراجی نہیں ہے بلکہ وجدان (Intuition) ہے۔ Intuition لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب 'دیکھنا' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تحریکِ تنویر کے برعکس تحریکِ رومانویت کے نزدیک حقیقت کو براہِ راست 'دیکھا' جا سکتا ہے اور اس براہِ راست دیکھنے کے ذرائع انسانی جبلتیں، انسانی خواہشات اور احساسات ہیں، یہی وجدان ہے اور کچھ نہیں ہے۔ عقلی استقرائی اور عقل استخراجی انسانی جبلتوں، خواہشات اور احساسات کی آلۂ کار (Instrument) ہیں۔ تحریک رومانویت نے تحریکِ تنویر کے برعکس انسانی جبلتوں، خواہشات واحساسات کو بنیادی ذریعۂ علم تصور کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنیادی ذریعہ علم وجدان ہے

غرض تحریک رومانویت کے مطابق بنیادی ذریعہ علم Intuition ہے اور عقل خواہشات کی نوکر ہے (Reason is the Slave of Desire)۔ جیسا کہ بینتھم (Bentham) کہتا ہے (گو کہ وہ رومانوی نہیں تھا) کہ عقل تو دراصل خواہشات کی غلام ہے، وہ تو Intuition کی باندی ہے اور اصل میں حقیقت تک رسائی کا ذریعہ Intuition ہے۔ خود انسان کے اندر وہ جبلتیں ہیں جن کے ذریعہ وہ Ontological Reality تک پہنچ سکتا ہے۔

روسو کے ذریعے تحریک تنویر اور تحریک رومانویت کا ادغام

سیاسی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے اس دوسرے فلسفہ کا سب سے زیادہ اثر ہوا۔ جس شخص نے تحریک تنویر اور تحریک رومانویت کو باہم ملا دیا وہ روسو تھا۔ روسو کے ہاں ایک بڑا بنیادی تصور ارادۂ عمومی (General Will) کا ہے۔ روسو کے خیال میں انسان بنیادی طور پر خیر ہے اور ہمیشہ خیر کا طالب ہوتا ہے۔ انسانی خواہشات، جبلتیں اور احساسات فطرتاً پاک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے ارادے کے تحت جس چیز کو پسند کرتا ہے وہ عمومی فلاح ہے۔

انسان خود بخود، بغیر کسی وحی کے، بغیر کسی رہنمائی، بغیر کسی نظام اطاعت کے، بذات خود اس چیز کا مکلّف ہے کہ وہ ارادۂ عمومی کے ذریعہ خیر کا تمنائی ہو۔ ہر فرد کا ارادہ، ارادۂ عمومی کا اظہار اس لیے ہے کہ ہر فرد بنیادی طور پر خیر ہے۔ ارادۂ عمومی کا یہی تصور جمہوریت اور سرمایہ داری کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جمہوریت اور سرمایہ داری کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ "General will always wills human welfare" یعنی 'ارادۂ عمومی ہمیشہ انسانی فلاح کا ارادہ کرتا ہے'

مقصد یہ ہے کہ انسان کا عمومی ارادہ خیر ہے۔ وہ اس بات پر مجبور بھی ہے اور تمنائی بھی ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرے وہ ایسی ہو جس سے سب لوگوں کی بھلائی اور فلاح ہو۔ ارادۂ عمومی فی نفسہٖ خیر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "The Self is essentially good" یعنی ''انسانی ذات فی نفسہٖ خیر ہے''

انسانی Self فی الواقع خیر کا ادراک کرتا ہے اور ارادہ بھی خیر کا کرتا ہے۔ تحریک رومانویت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نزدیک انسانی نفس بنیادی طور پر خیر کا منبع ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ خیر کے ادراک اور خیر پر عمل پیرا ہونے کے لیے وحی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

انسان اور خدا میں کوئی فرق نہیں

تحریک تنویر میں تو شروع ہی سے یہ تصور موجود ہے کہ انسان اور خدا میں دراصل بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ اس خیال کو مختلف سطحوں پر مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ 'سارتر' کے افکار میں سب سے زیادہ یہ بات واضح ہے۔ عموماً بیسویں صدی میں یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے لیکن شروع سے ہی یہ خیال کہ انسان علم و عمل، معاشرت و سیاست کسی شعبہ میں بھی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ آزادی (Freedom) اور خودمختاری (Autonomy) کے تصور کی یہی بنیاد ہے اور یہ دونوں تصورات تحریک تنویر اور تحریک رومانویت کی مشترکہ میراث ہیں۔

مغربی تہذیب میں انسان کے قائم بالذات ہونے کا یہی تصور ہے جو اوپر بیان ہوا۔ اسی لیے ہم مغربی تہذیب کو ایک مکمل اور بدترین گمراہی سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی بقائے باہمی کے قائل نہیں ہیں۔ ہم اسے مکمل طور پر رد کرتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مغرب کے پاس ایک تصور حق و خیر ہے اور ہمارے پاس ایک دوسرا تصور حق و خیر اور اس بنیاد پر اسلام اور مغرب میں کوئی مکالمہ ہو سکتا ہے۔ مغرب سے کسی مکالمے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا تصورِ خیر اور تصور حق صریحاً باطل ہے۔

مغرب کا بنیادی عقیدہ الوہیت انسان

مغرب کا بنیادی عقیدہ الوہیتِ انسان کا عقیدہ ہے۔ مغرب کا بنیادی کلمہ لا الہ الا الانسان ہے اور اگر بنیادی کلمہ لا الہ الا الانسان ہے تو مغرب اور ہمارے درمیان مکالمہ ممکن ہی نہیں۔ اس بنیادی فرق کے باعث ہمارے اور مغرب کے درمیان تو بعد المشرقین ہے۔ ہم مغرب کو خالص جہالت تصور کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے مغربی تہذیب وحی کا انکار کرتی ہے اور یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وحی الٰہی کے بغیر (عقل اور جبلتوں کی بنیاد پر) حقیقت تک رسائی ممکن ہے۔ یہ مغرب کا بنیادی عقیدہ ہے اور اسی عقیدہ کے سبب مغرب، مغرب ہے۔ ناں کہ کسی اور وجہ سے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس کی تفصیل چند مغربی فلاسفہ کی فکر کے حوالے سے بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے پہلے 'کانٹ' کے چند اساسی نظریات کے بارے میں عرض کروں گا۔

کانٹ کا مغربی فلسفے میں مقام

کانٹ مغربی تہذیب میں بہت ہی بنیادی فلسفی ہے۔ کانٹ کا مغربی فلسفہ میں جو مقام ہے، افلاطون کے بعد شاید ہی کسی اور مفکر کا ہو۔ کانٹ کا بنیادی تصور یہ ہے کہ Self یا انسانی ذات کے اندر ہی ایسا نظام اور ترتیب (Order) موجود ہے جو انسانی تجربے کو ہیئت (Form) اور ساخت (Structure) فراہم کرتا ہے اور نتیجتاً انسانی تجربہ کو بحیثیت تجربہ کے ممکن بناتا ہے۔ ذات یا Self کے اس اندرونی نظام کے بغیر تجربہ ممکن نہیں ہوگا۔ ہم محض مختلف قسم کے غیر مربوط احساسات کے مجموعہ کے مالک ہوں گے۔ اسی طرح Self کا یہ Order کائنات کو اور اس میں موجود مختلف اعمال و افعال اور اشیاء کو معانی فراہم کرتا ہے۔ کائنات کے اپنے اندر کوئی معانی نہیں ہیں، جب Self کے Order کو کائنات پر مسلط کیا جاتا ہے تو اس کے اندر معانی بھی پیدا ہوتے ہیں اور مختلف احساسات و معطیات باہم مربوط ہو کر تجربہ (Experience) کی شکل بھی اختیار کرتے ہیں۔ الغرض کانٹ کے نزدیک Self کے نظام (Order) کو اگر کائنات پر مسلط کیا جائے تو کائنات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے جیسا کہ اس کو سمجھنا چاہیے۔ یعنی کائنات کو ایک معقول (Rational) کائنات کے طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو Self کے نظام (Order) کے ذریعے سمجھا جائے۔ تعقل، معانی، ربط و ضبط، نظام، معیشت کا منبع و مصدر انسانی ذات (Self) ہے، اس منبع نور کے باہر کائنات میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اور بے ربطی ہے۔

The Self possesses an order which determines the structure of experience, gives forms and meaning to the world.

اشیاء کا مادی وجود لازمی ہے

کانٹ کے مطابق Self کو ایک ایسا علم حاصل ہے جو تجربہ سے ماورا ہے۔ (a prior Knowledge)۔ ان معنوں میں ماوراء ہے کہ تجربہ کو تجربہ بننے کے لیے اس ماورائی علم میں شرکت کرنا پڑتی ہے ورنہ تجربہ، تجربہ نہ بن سکے گا اور محض بے ربط احساسات اور معطیات کا ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مجموعہ (Bundle) رہے گا۔ الغرض کانٹ کے مطابق Self ایک ایسا علم رکھتا ہے جس میں شے (Thing) کے تصورات (Categories) اور اشیاء کے مابین تعلق (Relation) کے متعلق تصورات پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً علت اور نتائج (Causation) کے تصورات اشیاء کے درمیان ربط و تعلق کے بارے میں وہ اطلاع دیتے ہیں (اور یہ اطلاع Self کے پاس موجود ہے) جس کے ساتھ کائنات کی ہر چیز کو ہم آہنگ ہونا پڑے گا ورنہ وہ علم اور تجربہ نہیں بن سکتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کائنات میں کسی بھی دو یا اس سے زیادہ اشیاء کے درمیان تعلق متصور ہو اور وہ ان تصورات سے ماوراء ہو جو تصورات Self میں پہلے سے موجود ہیں۔ اسی طرح کائنات میں کوئی چیز بھی ان تصورات سے ماوراء نہیں ہوسکتی جو Self میں پہلے سے موجود ہیں۔ مثلاً ایک ایسا تصور، تصورِ مکاں (Space) ہے، ایسا ہی ایک تصور تصورِ زمان (Time) ہے، نیز ایسا ہی ایک تصور تصورِ مقدار (Quantity) ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شے ہو اور وہ زمان اور مکان میں نہ ہو، یا اس کی کوئی مقدار نہ ہو۔ یہ قطعاً ممکن نہیں ہے ورنہ وہ شے ہمارے احاطہ علم میں ہی نہیں آئے گی اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر قرار پائے گا۔

کانٹ اور عرفانِ ذات

الغرض کانٹ نے ایک طرف تو یہ کہا کہ عقلیت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ Self کے اندر وہ ترتیب اور نظم (Order) موجود ہے جس کے نتیجے میں اشیاء اور اس کے باہمی ربط و تعلق کو متصور (Conceptualise) کرنے کے لیے ضروری تصورات کا Self کو پہلے سے علم ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ Self خود کیا ہے تو اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ کانٹ کی علمیات میں عرفانِ ذات کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ Self جانتا ہے اور جاننے کا ذریعہ ہے لیکن Self خود کیا ہے یہ کوئی نہیں جان سکتا۔ ہمیں جس چیز پر ایمان لانا چاہیے اور اعتقاد رکھنا چاہیے وہ Self کی یہ صلاحیت کہ وہ جان سکتا ہے، علم (Knowledge) تک رسائی حاصل کر سکتا اور اپنے اندر ان تصورات اور اس ترتیب و نظم کو سموئے ہوئے ہے جو علم کو ممکن بنانے کے لیے ضروری ہیں۔۔۔ اس سب پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی آزادی (Freedom) پر ایمان ہے۔ فریڈم یا آزادی کیا ہے؟۔ آزادی Self کی اس استطاعت (Capacity) کا نام ہے کہ وہ تمام تصورات کو جان سکے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جن پر تجربہ اور علم کی بنیاد ہے۔ لیکن Self کی اس صلاحیت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایمان اور عقیدے کی بات ہے۔ عقل استخراجی اور عقل استقرائی کسی میں بھی یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ Self کی اس صلاحیت کو ثابت کر سکے۔ یہ تو ایمان کی بات ہے۔ آپ کو اس پر ایمان لانا پڑے گا کہ Self کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ آپ اس کی بنیاد پر دنیا اور اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں۔

عقل کی بنیاد پر زباں و مکاں سے ماوراء قوانین ایجاد کیے جا سکتے ہیں

Self کی اس صلاحیت پر ایمان لانے کے بعد ہم ایسے عمومی اصول وضع کر سکتے ہیں اور ایسے قوانین بنا سکتے ہیں جو آفاقی ہوں۔ ہم عقل استقرائی اور عقل استخراجی کو استعمال کر کے ایسے اصول وضع کر سکتے ہیں جو عمومی ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو کسی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً کسی ایسے قانون کی ضرورت نہیں ہے جس کی دلیل کتاب اللہ سے نکلتی ہو یا انجیل سے نکلتی ہو، وغیرہ۔ ہم خود اپنی اپنی عقل کی بنیاد پر ایسے قوانین ایجاد کر سکتے ہیں جو ہر معاشرہ، ہر ریاست اور ہر نظام میں عمومی طور پر نافذ کیے جا سکتے ہوں اور جس کے نتیجہ میں ایک عادلانہ معاشرہ، ایک عادلانہ ریاست اور ایک عادلانہ تنظیم ممکن ہو سکے چنانچہ ہمیں کسی کتاب اللہ کی ضرورت نہیں، ہمیں کسی شریعت کی ضرورت نہیں، ہمیں کسی ہدایت کی ضرورت نہیں، محض عقل کے استعمال سے ہم وہ قوانین بنا سکتے ہیں جو آفاقی ہوں۔

مثالی معاشرے کا تصور

اگر ہم ان آفاقی اصولوں پر عمل کریں تو ہم ایک ایسا مثالی (Ideal) معاشرہ قائم کر سکتے ہیں جسے کانٹ Kingdom of Ends کہتا ہے۔ Kingdom of Ends سے مراد وہ ریاست ہے جہاں ہر فرد کا یہ اختیار تسلیم کیا جائے کہ وہ خود مختار (Autonomous) اور قائم بالذات (Self determined) ہے۔ جہاں ہر شخص اس بات کا تعین کرے کہ وہ کس قسم کی زندگی گزارے گا۔ جہاں ہر شخص کو مقصود بالذات سمجھا جائے۔ ہر شخص کو مساوی خود مختار، مساوی طور پر قائم بالذات ہونا، اور مساوی طور پر مقصود بالذات ہونا تسلیم کیا جائے۔ یہ تسلیم کیا جائے کہ ہر شخص خیر و شر کا تعین خود کر سکتا ہے۔ یہی کانٹ کا مثالی اور عادلانہ معاشرہ ہے۔ یہی اس کے فکر میں جنت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارضی کا تصور ہے۔ کانٹ نے اس جنت ارضی کا تصور براہ راست عیسائی جنت سماوی (Kingdom of Heaven) کی تردید اور متبادل کے طور پر پیش کیا تھا۔

کانٹ کے افکار کے اجمالی جائزے سے ظاہر ہے کہ اس کے تمام افکار -- جن پر پوری مغربی تہذیب کھڑی ہے اور مغربی فکر و فلسفہ کا انحصار ہے -- مطلقاً طاغوت ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ عیسائیت کے ساتھ کانٹ کا ایک نوعیت کا تعلق ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ترتیب اور نظم (Order) Self کے اندر خدا نے ہی رکھا ہے وغیرہ۔ کانٹ اس کا انکار نہیں کرتا۔ اس کی کچھ توجیہات ہیں جس کی بنیاد پر کانٹ کو خاص طور پر پروٹیسٹنٹ عیسائی بنیادوں پر جواز مل سکتا ہے۔ لیکن عملاً جس چیز کی وہ تعلیم دیتا ہے اور جو چیز عام ہوئی ہے وہ یہی خود ارادیت کی تعلیم ہے۔ اس چیز کی تعلیم ہے کہ قانون بھی آپ خود بنا سکتے ہیں اور ماورائے کائنات حقائق کا ادراک آپ خود کر سکتے ہیں۔ وہ خود عیسائی رہا ہوگا لیکن جس چیز کی اس نے ترویج و اشاعت کی وہ تو خالص کفر تھا اور اسی کفر کی بنیاد پر سرمایہ داری اور جمہوریت قائم ہے۔ آزادی کا یہ تصور ہی بعد میں سرمائے کی شکل اختیار کرتا ہے اور عالمی گمراہی کے طور پر مقبول ہوتا ہے۔

ہیگل کا تصور ذات ۔۔۔ اجتماعی

دوسرا اہم مفکر ہیگل ہے۔ ہیگل اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل کا فلسفی ہے۔ ہیگل کے تصورات بھی ان معنوں میں بہت اہم ہیں کہ ان کا یورپی فکر پر بہت اثر ہوا ہے۔ ہیگل اور کانٹ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ کانٹ کا تصور ذات (Self) انفرادی (Individual) ہے جبکہ ہیگل کا تصور ذات اجتماعی (Communitarian) ہے۔ ہیگل کے نزدیک زبان کی بنیاد پر قائم تاریخی اجتماعیت (Historical Language Community) کے تناظر اور سیاق و سباق میں انفرادی Self کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس تناظر کے علی الرغم Self کے کسی تصور کو متصور کرنا محض ایک خام خیالی اور abstraction ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل Self جو قائم اور موجود ہے وہ اجتماعیت پر مبنی Self ہے اور فرد کا کام اس Self میں شریک ہونا ہے۔ مثلاً جرمن قوم کا Self اصل میں موجود ہے، اور یہ Self جرمن تاریخ، جرمن تہذیب اور جرمن تاریخی تجربہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Historical Experience) میں اپنا اظہار کرتا ہے۔

ہیگل کے یہاں Self کا تیسرا تصور

لیکن ہیگل کے یہاں انفرادی اور اجتماعی Self کے علاوہ Self کا ایک تیسرا تصور بھی ہے جسے وہ ذات مطلق (Absolute Self) کہتا ہے۔ اسی ذات مطلق (Absolute Self) کو وہ روح کائنات (Geist) بھی کہتا ہے اور دوسرے نام بھی ہیں جن کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہیگل نے ذات مطلق کا تصور مذاہب، خصوصاً عیسائیت سے لیا ہے اور اسی لیے بعض لوگ اسے عیسائی مفکر بھی سمجھتے ہیں لیکن ہیگل کے 'ذات مطلق' اور عیسائیت کے 'تصور خدا' میں ایک بہت بنیادی فرق ہے۔ عیسائیت اور مذاہب کے نزدیک خدا ازل سے اپنی مکمل صورت میں موجود ہے اور اس نے کائنات کو عدم سے تخلیق کیا ہے۔ خدا زمان و مکان سے ان معنوں میں بالا ہے کہ اس کی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہے، لیکن ہیگل یہ کہتا ہے کہ ذات مطلق کہیں بھی مکمل صورت میں موجود نہیں ہے۔ ذات مطلق محض ایک مجرد تصور ہے۔ لیکن جب یہ ذات مطلق زمان و مکان میں داخل ہوتی ہے تو یہ مجرد تصور۔۔۔ ایک عملی شکل (Actualization) حاصل کرتا ہے۔ تاریخ اس ذات مطلق کی خود تخلیقیت (Self Creation) اور خود تشکیلیت (Self Constitution) کا سفر ہے۔ جب ذات مطلق خود تخلیقیت کے اس عمل کے ذریعہ اپنے آپ کو مکمل کرے گی تو تاریخ ختم ہو جائے گی۔ اسی کو ہیگل اختتام تاریخ (End of History) کہتا ہے۔ اگر مذہبی زبان میں اس بات کو بیان کریں تو ہیگل کے نزدیک (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) خدا تاریخ کے ذریعے اپنے آپ کو خلق کر رہا ہے اور اپنے آپ کو مکمل کرنے کے عمل میں ہے۔

ہیگل نپولین کو خدا کا اظہار سمجھتا تھا

اب ہیگل کے نزدیک ذات مطلق خود تخلیقیت اور خود تشکیلیت کے اس سفر کو زبان کی بنیاد پر قائم تاریخی اجتماعیتوں اور ان تاریخی اجتماعیتوں کے جلو میں ظہور پذیر ہونے والی نابغۂ روزگار شخصیات کے ذریعہ کرتی ہے۔ مثلاً جرمن قوم کی تاریخ، تہذیب، ادارے ذات مطلق کی تکمیل سفر کے مختلف لمحات ہیں۔ اسی طرح مثلاً نپولین کو ہیگل فی الواقع خدا کا اظہار سمجھتا تھا۔ اور ۱۸۰۶ء میں جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نپولین نے جرمنی پر حملہ کیا تو ہیگل نے باوجود اس کے کہ وہ جرمن تھا، اس کا خیر مقدم خدائی تعظیم کے ساتھ کیا اور اپنی کتاب Phenomenology of Self اس کے نام معنون کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہیگل کے نزدیک نپولین ذاتِ مطلق کا اظہار تھا۔ تو انفرادی Self اور اجتماعی Self دونوں ذات مطلق کی خود تخلیقیت اور خود تشکیلیت کے عملی آلۂ کار (Vehicle) ہیں۔ اسی کو ہیگل عقل کی مکاری (Cunning of Reason) اور تاریخ کی مکاری (Cunning of History) کہتا ہے۔

تاریخ خیر و شر کا اصل پیمانہ ہے

ان دونوں اعمال (Processes) یعنی (Cunning of Reason) اور (Cunning of History) کے ذریعہ تاریخی اجتماعیتیں حق کے اظہار پر مجبور ہیں۔ چنانچہ تاریخی اجتماعیتوں کی تاریخ، طرز حیات ہی خیر و شر اور اخلاقیات کے پیمانے ہیں۔ اخلاقیات وہ نہیں ہے جو انجیل اور قرآن میں لکھی ہے، بلکہ اخلاقیات سے مراد یہ ہے کہ تاریخی اجتماعیت نے ارتقاء (Development) کے لیے جو معیارات خیر و شر مقرر کیے ہیں، انہی سے اخلاقی معیارات اور پیمانے تشکیل پاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی زمانے میں قرآن اور انجیل اخلاقیات کے پیمانے فراہم کرتے ہوں۔۔۔ لیکن کیونکہ وہ اس زمانے کی تاریخی اجتماعیتوں کی اخلاقیات کے اظہار تھے، اب وہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور اجتماعیتوں نے اخلاقیات کے اظہار کے جو نئے زینے عبور کیے ہیں انہوں نے قرآن اور انجیل کو از کار رفتہ شے بنا کر رکھ دیا ہے۔

تاریخ میں اخلاقی پیمانے بدلتے رہتے ہیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ میں تغیرات کے اظہار کے ساتھ ساتھ اخلاقی پیمانے، خیر و شر کے معیارات بدلتے رہتے ہیں اور ہر آنے والا وقت پہلے سے بہتر ہے اور اس کے پیمانے پہلے دور کے مقابلے میں فوقیت رکھتے ہیں اور ہر آنے والے دور میں ذات مطلق اپنی تخلیق اور تکمیل کے اگلے اور برتر مرحلے میں داخل ہو چکی ہوتی ہے۔ اسی کا نام ترقی (Progress) اور Development ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خیر وشر کا پیمانہ ترقی ہے

اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ ہیگل کے نزدیک خیر وشر کا جو پیمانہ ہے وہ ترقی (Development) ہی ہے اور جو تاریخی اجتماعیت جتنی زیادہ ترقی کر گئی وہ اسی قدر معیار حق و باطل اور معیار خیر وشر ہوگی اور چونکہ سب سے زیادہ ترقی جس اجتماعیت (Community) نے کی ہے، اور سب سے زیادہ غلبہ جس نے حاصل کیا ہے وہ مغرب ہے اس لیے مغرب اور اس کی تاریخ اور تہذیب، ادارتی صف بندی، آدرشیں ہی حق و باطل کا معیار ہیں۔۔۔ اور چونکہ مغرب کی ترقی کے آگے کسی ترقی کا تصور نہیں ہو سکتا اس لیے مغربی تہذیب ہی بنیادی طور پر ذات مطلق اور روح کائنات کا اظہار مکمل ہے۔ اسی لیے مغربی تہذیب کا غلبہ تکمیل ذات مطلق ہے اور اسی لیے اب دائمی ہے اور اس دوام کو کبھی زوال نہیں آئے گا اس لیے ہر تہذیب اور ملت کو مغرب کی تہذیب، آدرشوں، اداروں کو خیر مطلق کی حیثیت سے قبول کر لینا چاہیے۔ ان معنوں میں تاریخ اب ختم ہوگئی ہے۔

ہیگل امریکا کا سب سے بڑا مداح ہے

اور اسی لیے سب سے زیادہ توقع اور امید اور سب سے زیادہ مدح سرائی ہیگل کے ہاں امریکہ کی ہے۔ وہ کہتا ہے اصل میں امریکہ مغربی تہذیب کی روح کا خالص ترین اظہار ہے۔ حالانکہ ہیگل کے دور میں امریکہ کی کوئی خاص سیاسی حیثیت نہیں تھی جو آج ہے، اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ مغربی تہذیب کے آدرشوں اور افکار کے سب سے زیادہ اظہار اور سب سے زیادہ ترقی کا امکان امریکہ میں ہے۔

تاریخ کے خاتمے کا مطلب کیا ہے؟

الغرض مغربی تہذیب کا غلبہ دائمی ہے۔ جب مغرب میں یہ کہا جاتا ہے کہ تاریخ کا خاتمہ ہو چکا ہے تو وہ ان معنوں میں کہ اس کے بعد کسی بنیادی تغیر کا امکان ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد حق کے مزید کسی ادراک کا کوئی امکان نہیں ہے۔ فی الواقع تحریک تنویر نے جو تصورات پیش کیے ہیں بالخصوص آزادی کا تصور، وہ قدر مطلق ہے اور اس قدر مطلق کو آفاقی طور پر مستحکم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ مغربی تہذیب کی عالمگیریت اور آفاقیت کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا جائے بلکہ اس کو ممکن بھی بنایا جائے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی راہ میں حائل ہر خطرے کو ہر قیمت پر ختم کر دیا جائے۔

مغرب ایک دنیا تعمیر کر رہا ہے، یہ دنیا نا قابل تغیر اور نا قابل تردید ہے۔ تاریخ کا اختتام ان معنوں میں ہو چکا ہے کہ مغربی تہذیب نے جن آدرشوں کو پیش کیا ہے انہیں نہ صرف یہ کہ آفاقی حق کے طور پر قبول کرے گی بلکہ اس کے اظہار کا موقع بھی دے گی۔ مغربی تہذیب کا غلبہ ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ تحریک تنویر اور تحریک رومانویت نے جن آفاقی نظریات کو پیش کیا تھا ان کے سامنے بند باندھنا ممکن نہیں ہے۔

جنھوں نے ہیگل کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہیگل کی رومانوی اور تنویری تعبیریں یکساں طور پر ممکن ہیں۔ اور روسو کی طرح ہیگل بھی تہذیب مغرب کے ان دو دھاروں کے ملاپ کا کام کرتا ہے۔

مغرب میں ''خیر'' نہیں ''ارادہ'' غالب ہے

اوپر ہم نے کانٹ اور ہیگل کا جو تصور پیش کیا ہے وہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب اور اقدار کا غلبہ انسانیت کی فلاح اور خیر کی چیز ہے۔ لیکن تحریک رومانویت سے ایک اور دوسرا دھارا بھی نکلتا ہے جو مغربی تہذیب کو فلاح و خیر وغیرہ نہیں گردانتا۔ مثلاً شوپنہار کے ہاں تو بالخصوص یہ بنیاد موجود ہے کہ وہ مغربی تہذیب کے غلبہ کو واقعتاً خیر تصور نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ جو چیز غالب (Dominant) ہوئی ہے وہ ارادہ (Will) ہے۔ جس چیز نے مغرب کے ذریعہ غلبہ حاصل کیا ہے وہ عقل نہیں بلکہ Will ہے اور Will ایک اندھی قوت (Blind Force) کا نام ہے۔ اس اندھی قوت نے دنیا کو غم اور دکھ سے بھر دیا ہے۔ اس قوت اور اس کے غلبہ کو کسی صورت روکا نہیں جا سکتا ہے۔ قنوطیت کا یہ غلبہ مغربی فلسفیوں میں شروع سے چلا آ رہا ہے حتیٰ کہ فوکالٹ (Foucault) میں بھی، جو بیسویں صدی کا مفکر ہے اور ۱۹۸۴ء تک زندہ رہا، اس کے افکار پر بھی یاسیت و قنوطیت شدت کے ساتھ غالب ہے۔

مغربی تہذیب میں یہ دونوں دھارے موجود ہیں۔ ایک طرف تو پر امید (Optimistic) تصور ہے کہ مغربی تہذیب کا غلبہ خیر و فلاح ہے دوسری طرف قنوطی تصور ہے جو اس کو خیر و فلاح نہیں سمجھتا ہے لیکن مغربی غلبہ کی ناگزیریت پر دونوں یک زبان ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی دوسرے دھارے کا اظہار ایک اور فلسفی کرتا ہے جس کا نام کرکیگارڈ (Kierkegaard) ہے۔ اس کے ہاں یہ خیال موجود ہے کہ انسان جو کچھ پسند کرتا ہے اس کو ہم عقلی بنیادوں پر جواز (Justify) فراہم نہیں کر سکتے۔ آپ کوئی عقیدہ اختیار کرتے ہیں، کوئی طرز زندگی پسند کرتے ہیں، اس انتخاب کو آپ عقل کی بنیاد پر نہیں کرتے ہیں کسی چیز کے حق اور ناحق ہونے کا معیار یہ نہیں ہے کہ آپ کیا چنتے ہیں بلکہ وہ اس بات پر منحصر ہے کہ آپ اسے کیسے چنتے ہیں۔ کسی چیز کی اپنی کوئی قدر نہیں ہوتی ہے، جس انداز میں آپ اس چیز کو اپناتے ہیں وہ اس میں قدر پیدا کرتی ہے یا اس کو بے قدر بناتی ہے۔ انگریزی میں ہم اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ:

It is not important what you choose, but how you chose it.

''یہ اہم نہیں ہے کہ آپ کیا چنتے ہو بلکہ اہم یہ ہے کہ آپ کیسے چنتے ہو''

یہ اہم نہیں ہے کہ تم ہندو ہو یا مسلمان ہو یا لبرل ہو، کیونکہ یہ تمام طرز ہائے زندگی اور عقائد یکساں طور پر بے قدر (Valueless) ہیں۔ بلکہ جس شدت کے ساتھ آپ کسی طرز زندگی کے ساتھ بغیر کسی دلیل کے وابستہ ہوں گے، اسی قدر اس طرزِ زندگی کی قدر ہوگی۔ شدتِ وابستگی کسی چیز میں قدر پیدا کرتی ہے۔ اس کو انگریزی میں کہیں گے:

Choosing passion determines your access to the good.

اور اس کی معراج یہ ہے کہ جو عقیدہ اور طرزِ زندگی سب سے زیادہ لایعنی، مہمل اور عقلی طور پر تضادات کا مجموعہ ہوگا اس کو اگر اس تمام لایعنیت اور تضاداتِ عقلی کے باوجود شدت جذبات کے ساتھ یکسو ہو کر قبول کیا جائے تو یہ ایک ایسی زندگی کا اظہار ہوگا جو کہ قدرِ اعلیٰ کی اعلیٰ ترین منزل ہے۔ کرکیگارڈ کا یہ خیال بیسویں صدی میں نہایت اہم ہو جاتا ہے کیونکہ آج مغربی تہذیب کی لایعنیت مغربی مفکرین پر اظہر من الشمس ہے۔ لیکن اس لایعنیت کو اسی شدت کے ساتھ گلے لگائے رکھنے کو Authenticity کی معراج سمجھا جا رہا ہے۔

مارکس کے افکار

مارکس کو ہم کسی نہ کسی حد تک اسی تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ مارکس پسند و ناپسند اور اختیار کی اس لایعنیت کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شوپنہاور کرکیگارڈ کے ہاں پسند و اختیار کی لایعنیت کا جو خیال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موجود ہے وہ دراصل ایک خاص معاشی نظام کی بالادستی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اگر اس نظام یعنی سرمایہ داری کو کسی نہ کسی صورت آپ ختم کر دیں تو اس کے نتیجہ میں لایعنیت یا جسے وہ اجنبیت (Alienation) کا نام دیتا ہے، ختم ہو جائے گی۔

آپ جو چاہیں کریں

مارکس کی ایک سے زیادہ تعبیریں ممکن ہیں لیکن میں اس تفصیل میں یہاں نہیں جاؤں گا صرف اہم اہم باتیں عرض کروں گا۔ مارکس کا بنیادی خیال یہ ہے کہ اختیار و پسند کی لایعنیت سرمایہ داری کا شاخسانہ ہے۔ سرمایہ داری نے پسند و اختیار کو حقیقی (authentic) رہنے ہی نہیں دیا۔

حقیقی / واقعی (authentic) اختیار (Choice) کا مطلب یہ ہے کہ انسان غلام (Slave) نہ رہے بلکہ آقا (Master) بن جائے۔ آقائی اور خودمختاری کے لیے ضروری ہے کہ آپ طبقاتی جدوجہد کے ذریعہ پرولتاریوں کی آمریت قائم کریں تاکہ سرمایہ داری نظام سے اوپر اٹھ کر وہ جنت ارضی حاصل کی جا سکے جسے مارکس کمیونزم کہتا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ جنت ارضی قائم ہو جائے گی اور آپ خودمختار اور آقا بن جائیں گے تو کیا آپ کو اختیار کی لایعنیت سے رستگاری نصیب ہو گی یا نہیں؟ اب اگر مارکس نے جو کمیونسٹ معاشرے کے خدوخال بیان کیے ہیں ان کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہاں بھی اختیار کی لایعنیت عود کر آتی ہے۔ کمیونسٹ سوسائٹی وہ ہے جس میں کسی بھی چیز کی حقیقی قدر نہیں ہے۔ جس کا جو جی میں آئے کرے۔ یہی مارکس کا تصور ہے کمیونسٹ سوسائٹی کا۔ جب ہر چیز کی قدر برابر ہے (یعنی کہ کوئی قدر نہیں ہے) اور آپ جو چاہیں کریں تو اختیار کی لایعنیت کا عود کر آنا یقینی بات ہے۔ اس لحاظ سے کانٹ کی Kingdom of Ends اور کمیونسٹ سوسائٹی میں بڑی مماثلت ہے کہ دونوں میں اختیار کی لایعنیت (Absurdity of Choice) اور اختیار کی آفاقیت (Universality of Choice) عود کر آتے ہیں۔ اختیار کی آفاقیت اور اختیار کی لایعنیت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ جب آپ اس کے لیے تگ و دو کرتے ہیں کہ آپ جو چاہیں کریں (اختیار کی وسعت) تو کسی چیز میں بھی کوئی حقیقی قدر (Intrinsic Value) باقی نہیں رہتی اور زندگی فی الواقع ایک تماشہ بن جاتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مارکسی معاشرے میں مقصد زندگی کا تصور

اس کی واضح تصویر ہمیں مارکس کے کمیونسٹ معاشرے کے تصور میں ملتی ہے۔ کمیونسٹ معاشرے میں مارکس کہتا ہے آپ کی جو مرضی میں آئے گا وہ آپ کر سکیں گے۔ صبح کو مچھلی پکڑیں، شام کو گانا گائیں وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اختیار کی لایعنیت کو ان معنوں میں رد نہیں کرتا اور اسے ایک اچھی چیز کے طور پر قبول کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ انسان کی آزادی ہے کہ جو چاہے کرے۔ اس کی نظر میں زندگی ایک کھیل ہے۔ جس میں جو دل چاہے آپ کھیلیں اور فی الواقع قدر (Value) کچھ نہیں ہے اور قدر صرف وہ ہے جو آپ چاہیں کہ قدر ہو۔ یہ تصور بعد میں دوسروں کے یہاں بھی ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملاً سرمایہ داری اور اشتراکیت جو معاشرہ پیدا کرتے ہیں بالکل ایک جیسے معاشرے ہوتے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ایک دوسرے میں ضم ہونا ان کے لیے ممکن ہے۔ اشتراکی ریاست، سرمایہ دارانہ ریاست ہو جاتی ہے اور سرمایہ دارانہ ریاست اشتراکی ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر ان کے یہاں خیر کا کوئی تصور موجود ہی نہیں ہے۔

مابعد الطبیعاتی سوالات کے انکار کا مکتبہ فکر

اب چند باتیں Positivists کے بارے میں۔ Positivists ایک ایسا مکتبہ فکر ہے جو انیسویں صدی کے اواخر میں ظہور پذیر ہوا اور اس نے حقیقت (Ontological) سے متعلق سوالوں کی ضرورت سے سرے سے ہی انکار کر دیا۔ اس نے کہا یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ کائنات کیا ہے، اور انسان کیا ہے، اور حقیقت کیا ہے، لاحاصل بات ہے۔ ان حقائق تک رسائی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس مکتبہ فکر میں واحد استثناء Wittgenstein ہے۔ (یہ بعد میں عرض کروں گا کہ Wittgenstein نے ایسا نہیں کہا کہ حقائق کے حصول کی کوشش نہیں کرنا چاہیے) سب سے اعلیٰ مقام Positivists میں Wittgenstein کا ہی ہے۔

Positivists کے مطابق Ontological حقائق کے ادراک کی کوشش کرنا فعل عبث ہے اور ہمیں اس سے باز آ جانا چاہیے مثلاً یہ جو Ontological حقائق کی لوگ بات کرتے ہیں کہ انسان کیا ہے اور کائنات کیا ہے اور خیر کیا اور حق کیا ہے۔۔۔ تمام چیزیں یہ سب کچھ نفسیات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاری ہے۔یعنی انسان اپنے نفس کے اندر چند جبلتیں رکھتا ہے جن کی بنیاد پر وہ فی نفسہٖ کچھ باتیں کہتا ہے لیکن ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے اور علمی حیثیت صرف ان چیزوں کی ہے جن پر ہم منطقی ذرائع سے پہنچتے ہیں یا جو تجربات کے ضمن میں ہم جانتے ہیں۔ماورائی حقائق (Ontological Truth) تک ہم رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اس چیز کے انکار کی ایک شکل Phenomenology ہے اور دوسری شکل Hermeneutics کی ہے (Hermeneutics پہلے اور Phenomenology بعد میں)۔اس میں ایک ردعمل پیدا ہوا کہ نہیں یہ ممکن ہے۔۔۔فرض کریں ہم یہ بات تسلیم کر بھی لیں کہ ماورائی حقائق کی دسترس ہمیں اپنے نفس سے حاصل ہوتی ہے تو ہم ایسی سائنس ایجاد کر سکتے ہیں کہ جس وقت ہم انسانی تجربات کی منظم انداز میں توجیہہ (Systematically Interpretation) کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ تو ہم ان تجربات کے اصلی معانی بیان کر سکیں گے۔ اس سائنس کو ہم کہتے ہیں (Hermeneutics) اور Habermas کے ہاں یہ تصور موجود ہے کہ جو کچھ بھی انسانی تصورات ہیں ان کا سائنسی، منظم اور مرتب تجزیہ حقائق کے ادراک کا ایک صحیح ذریعہ ہو سکتا ہے۔اس میں کچھ مفکرین نے بالخصوص Dilthey نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ تجربے تو انسان کے تاریخی تناظر اور تاریخی پوزیشن سے متعین ہوتے ہیں۔لہٰذا ان تجربات کا تجزیہ اس چیز کا امکان رکھتا ہے کہ حقائق کا مختلف النوع ادراک کیا جائے۔

اضافیت (Relativism) کے مطابق کوئی بھی ادراک آفاقی حقائق کو اجاگر نہیں کرتا بلکہ وہ ایک ایسے سچ کو اجاگر کرتا ہے جو صرف اضافی طور پر درست ہوتا ہے۔مخصوص تجربات کے تاریخی سیاق وسباق کے حوالے سے صداقت متعین کی جا سکتی ہے۔جس کی وجہ سے ہم آفاقی سچائیوں کا ادراک علم التعبیر اور علم توجیہہ کے ذریعے نہیں کر سکتے اور Hermeneutics میں یہ گنجائش موجود ہے کہ اضافیت دوبارہ کسی نہ کسی شکل میں امکان کے طور پر وجود رکھے۔مغربی تہذیب کا بنیادی دعویٰ یہ ہے کہ وہ ایسے مصدقہ اصول دریافت کر سکتی ہے کہ جن کی بنیاد پر تمام معاشرے اور تمام ریاستوں کے نظام کو مرتب کریں تو عدل قائم ہو جائے گا۔مغربی تہذیب کی فلسفیانہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عدل کا تصور، تصورِ نفس سے اخذ کردہ ہے جب کہ تصورِ نفس، تصورِ عقلیت میں مضمر ہے۔جس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر چار کانٹ اور ہیگل وغیرہ کی فکر میں ملتا ہے۔ اگر اضافیت کو قبول کر لیا جائے تو مغربی تہذیب کی آفاقیت خطرے میں پڑ جائے گی یعنی مغربی تہذیب وہ اصول تو مرتب کر سکتی ہے جو ان کے اپنے تاریخی اصولوں سے متعین ہوتے ہیں لیکن ایسے اصول وہ نہ تخلیق کر سکتی ہے نہ متعین کر سکتی جو تمام معاشروں اور تمام تاریخوں کے لیے یکساں طور پر محیط ہوں اور ان کی بنیاد پر ان تہذیبوں کو، ان کے تجربات کو جانچا جا سکے۔ لہٰذا Relativism، مغربی تہذیب کی آفاقیت کے لیے ایک خطرہ ہے۔ یہ وہی مغربی بالادستی کی قنوطی (Pessimistic) تعبیر ہے جو شوپنہار سے شروع ہوتی ہے۔۔ اس کی ایک تشریح بعد میں فوکو کے ہاں جسے Structuralist کہتے ہیں یا جسے ہم Post Modern تحریک کہتے ہیں۔۔ زیادہ واضح شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔

نطشے اور برگساں: حق کے بجائے غلبہ

نطشے (Nietzsche) اور برگساں بھی دو اہم فلسفی ہیں ان کے ہاں بھی وہی تسلسل افکار (continuation) موجود ہے کہ مغربی تہذیب کی بالادستی کو آفاقی اصولوں کی بنیاد پر ثابت (Justify) کیا جائے، لیکن اس طریقے سے کہ مغرب کو ایک فاتح کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ نطشے کے ہاں جو بنیادی تصور ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسا قانون موجود ہے جو تمام انسانیت پر لاگو ہے وہ اس اصول کو The Will to Survive یا Power کا نام دیتا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ ہر آدمی، ہر فرد، ہر معاشرہ اس بات پر مجبور ہے کہ اپنی بقاء (Survival) کے لیے جد و جہد اور جستجو کرے۔۔۔ جو چیز اہم ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ہم حق تک رسائی حاصل کریں۔ یہ ضمنی سوال ہے کہ ہم حق تک کتنی رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

اصل اہمیت حق کی نہیں غلبہ کی ہے

اصل سوال یہ ہے کہ ہمیں غلبہ حاصل ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، اصل سوال یہ ہے کہ ہم Survive کر سکتے ہیں یا نہیں۔ Super Man وہ شخص ہے جو زندگی کو اس طریقے سے گزارتا ہے کہ وہ غالب (Super Dominant) حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور وہ اس اخلاقیات (Morality) کو عام کرتا ہے جو غلبہ پانے والے (Master) کی اخلاقیات (Morality)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے۔ غلام کی اخلاقیات (Morality) نہیں ہوتی۔ اصل جو کوشش اور جدو جہد اور تجزیے کا مرکز و محور یہ ہونا چاہیے کہ ہم کس حد تک ایک غلام نسل (Slave Race) پر غالب آ سکتے ہیں اور ہم کس حد تک اپنے ارادے کو مسلط کر سکتے ہیں اور ہم اپنی زندگی کو ایک ادب کے نمونے (Work of art) کی طرح گزار سکتے ہیں، زندگی میں جس چیز کی تلاش ہے وہ حسن کی تلاش ہے اور حسن کی تحسین و تعریف ہے۔ زندگی ادب کا ایک نمونہ ہونی چاہیے۔

اخلاقی سوالات اصل سوالات نہیں

اخلاقی سوالات اصل سوالات نہیں ہیں۔ اصل سوالات تو یہ ہیں کہ ہم کتنے جمالیاتی (Artistic) معاشرے تخلیق کرتے ہیں یا زندگی گزارتے ہیں اور جس کے نتیجے میں ہم ایک نظام کے اندر کتنا زیادہ غلبہ حاصل کرتے ہیں اور کس حد تک ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ اپنی شخصیت کو غالب کر سکیں اپنی تہذیب کو غالب کر سکیں۔۔۔ ایک پورے معاشرے کے اوپر اس کے حساب سے ہم بقاء (Survive) حاصل کریں اس کے سوا حق کی کوئی اصل نہیں۔

خواہشات نفس ہی 'حق' ہے

Phenomenology کے بارے میں کچھ باتیں الگ سے بھی عرض کر سکتے ہیں لیکن میرے خیال میں باقی تمام چیزیں حذف کر کے صرف اتنی بات کافی ہے کہ Phenomenology وہ ہے جو انسان کے اندر سے نکلتی ہے۔ انسان کو حق اپنے اندر ہی تلاش کرنا ہے۔ حق کے تلاش کرنے کی جگہ Self ہے (The Self must find in itself)۔ چنانچہ معروضیت (Objectivity) کا حصول اسی وقت ہوتا ہے جب انسان مکمل طور پر داخلی (Totally Subjective) ہو جائے۔ جس وقت ایک شخص پورے طور پر اپنے آپ کو اپنے نفس کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے نفس کی کیفیات کا ادراک کر لیتا ہے تو اس وقت ہی وہ حق کا ادراک کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نفس کوئی عابد نفس نہیں ہے۔ وہ نفس نہیں ہے جو کسی رب کے ماتحت ہے، بلکہ جو خود ہی رب ہے اور جو خود ہی حق کا خالق ہے، خود ہی حق کا مالک ہے اور اس کا ادراک جب آپ پورے طریقے سے کریں گے اسی وقت خود ارادیت کا کوئی مطلب نظر آتا ہے چنانچہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

Phenomenology کی یہ تعلیم کہ انسان اسی وقت حق کا ادراک کرتا ہے جس وقت وہ نفس کے تابع ہو جاتا ہے یا نفس کو پورے طریقے سے سمجھتا ہے تو یہ وہی چیز ہے کہ جو کانٹ کے ہاں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے کہ order نفس کے اندر پہلے سے موجود ہے۔

فرائیڈ کے یہاں حق کا مقام تحت الشعور ہے

اس کے بعد انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں جو فلسفی بہت اہم رہا وہ فرائیڈ ہے۔ فرائیڈ کے ہاں یہ تصور کہ نفس کے اندر سے ہی حق کا ادارک نکلتا ہے پورے طریقے سے واضح ہو کر آتا ہے۔ وہ تصور یہ ہے کہ حق کا اصلی مقام تحت الشعور (Sub-conscious) ہے۔ تحت الشعور میں جو قوت غلبہ پاتی ہے جو طاقت غالب آتی ہے اس کو فرائیڈ "Libido" کہتا ہے لیکن Libido ایک تباہ کرنے والی اور حیوانی خصوصیت ہے۔ جس وقت آپ اپنے آپ کو نفس کے سپرد کرتے ہیں اور تحت الشعور میں نفس کو تلاش کرتے ہیں تو وہ حق جس کا ادراک کرتے ہیں شیطانی ہے۔ آپ کی [Idis Impulses] جب آپ کائنات کو دیکھتے ہیں، اس کی اصلیت جانتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ کائنات تو شیطانی ہے۔۔۔ یہ کائنات تو جنگلی ہے۔۔۔ یہ کائنات تو بہیمیت کی غماز ہے۔ چنانچہ تہذیب کو قائم کرنے کے لیے لازم ہے کہ نفس (ego)، Libido پر غالب آئے۔ اگر Ego، Libido پر حاوی نہیں ہوگا تو تہذیب برقرار نہیں رہ سکتی چونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ایک حیوان ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے اندر جو خواہشات اور میلانات ہیں وہ تہذیب کش ہیں اور تہذیب کو تباہ کرنے والے ہیں۔ چنانچہ حق کو جاننا اس چیز کو جاننا ہے کہ کائنات شیطانی ہے اور انسان کی اپنی ماہیت شیطانی ہے اور تہذیب کا قیام اسی شیطان کے خلاف ایک جدوجہد ہے اور ان معنوں میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتی کہ جس وقت آپ اپنی اصلیت کو دبا (Suppress) دیتے ہیں، جس وقت ego، Libido پر حاوی ہوگا تو آپ دراصل اپنی ذات کی نفی کریں گے اور موت کی خواہش آپ کے اوپر حاوی ہو جائے گی۔ چنانچہ شوپنہار کے ہاں تصور چلا آ رہا ہے کہ بنیادی طور پر Will شیطانی چیز ہے، یہ تصور فرائیڈ کے ہاں پوری طرح منعکس ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کہتا ہے کہ ہم نے اپنے نفس کو دیکھا اور دیکھا کہ نفس خود ارادیت کے اظہار کا نام ہے اور خود ارادیت تو Libido یعنی (Idish Impulses کا اظہار) اور وہ خواہشات جو انسان کو حیوان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بناتی ہیں، کے اظہار کا طریقہ ہے اور تہذیب تو وہ ملمع ہے جس کے اندر وہ چیزیں محصور رہتی ہیں۔

وٹگنسٹائن حق کو دنیا کے باہر سمجھتا ہے

اس کے بعد ہم بیسویں صدی کے ایک اور بہت بڑے فلسفی کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا نام ہے Wittgenstein۔ Wittgenstein بھی ایک Positivist ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عقلی ذرائع سے Ontological حقائق کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور بالخصوص Ontological حقائق کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وہ باقی Positivists سے ان معنوں میں بہت مختلف ہے کہ وہ کہتا ہے گو کہ Ontological حقائق کا عقل کی بنیاد پر ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا اپنا جملہ یہ ہے MetaPhysics is unsayable --- Ontological حقائق کو آپ بیان نہیں کر سکتے لیکن اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ دنیا خود کوئی حقیقت نہیں ہے۔ دنیا کے اندر نہ حق ہے نہ قدر ہے! اگر کہیں حق یا قدر ہے تو وہ دنیا سے باہر ہے۔ دنیا کے اندر حق تک رسائی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ جس زمانے میں اس نے کتاب لکھی تھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ زبان کو حق کے ادراک کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے اور زبان کو آفاقی حیثیت دیتا ہے۔ لیکن اس کی اپنی تحریر اس کا انکار کرتی نظر آتی ہے کہ زبان کے تجزیے (Analysis) کے ذریعے حق تک کوئی رسائی ممکن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لوگ محض زبان کے کھیل کھیلتے ہیں، جس سے کوئی آفاقی سچ اور حق اخذ نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آفاقی حقائق کا ادراک بہت اہم ہے اور جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ ہم عقل کے ذریعے حق کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ کہ عقل سے اوپر اٹھنے کی ضرورت ہے --- مگر عقل سے اوپر کیسے اٹھا جائے، اس کے بارے میں وہ خاموش ہے! لیکن وہ MetaPhysical اور Ontological Realities کی اہمیت اور اصلیت سے اور ان کی ضرورت سے انکار نہیں کرتا اور ان معنوں میں وہ دنیا کو ہیچ اور غیر ضروری سمجھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں حق اور خیر موجود نہیں ہے۔ اگر حق اور خیر موجود ہے تو وہ کہاں ہے اور اس تک کیسے رسائی حاصل کی جا سکتی ہے، اس کا کوئی جواب نہیں دیتا۔ وہ اس سلسلے میں خاموش ہے۔ وہ کہتا ہے اس کا کوئی جواب دیا نہیں جا سکتا۔ اور ان معنوں میں اس میں اور Heidegger میں، جو بیسویں صدی کا ایک اور اہم فلسفی ہے، بڑی مماثلت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہائیڈیگر، Wittgenstein اور مابعد الطبیعاتی سوالات

Heidegger کہتا ہے کہ انسان محض دنیا میں پھینک دیا گیا ہے (He has been thrown in the world) لیکن وہ اس پر مجبور ہے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا میں پاتا ہے اور اسے نہیں معلوم کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔۔۔؟ اور کہاں جائے گا۔۔۔؟ اس کی زندگی کی کیا حیثیت ہے۔۔۔؟ کائنات میں اس کا کیا مقام ہے۔۔۔؟ اس کے پاس کوئی جواب موجود نہیں ہے۔ لیکن وہ اس بات پہ مجبور ہے کہ وہ ان سوالات کا جواب تلاش کرے۔ Heidegger کہتا ہے ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا لیکن اگر آپ کو ایک ایسی زندگی گزارنا ہے جو معنی خیز ہو، جو Valuable زندگی ہو۔۔۔ تو ان سوالات کا جواب آپ کو مستقل تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ اور وہ کہتا ہے کہ مغربی تہذیب کا زوال اسی میں ہے کہ اس نے being کے سوال کو اور Ontological سوالات کو، جن کا میں پہلے تذکرہ کر چکا ہوں، بھولنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے مغربی تہذیب ایک مکینیکل اور ٹیکنالوجیکل تہذیب بن کر رہ گئی ہے۔ معنی اور معنویت غائب ہو گئی ہے! یعنی اس نے عملاً اور دانستہ طور پر ان Ontological سوالات کا جواب دینے سے پہلو تہی کی ہے۔ ان سوالات کا جواب دینا ناممکن ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فرد یا وجود کی حدود متعین ہیں۔ آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ اظہار ہے۔۔۔ معاشرتی تعلقات کا اظہار! جو کچھ ہو رہا ہے وہ "The they" سے تشکیل پاتا ہے۔ یعنی آپ کی روزمرہ کی زندگی (Every dayness)۔ اس کے مطابق آپ متعین ہوتے ہیں۔۔۔ جو کچھ دن بھر ہوتا رہتا ہے آپ کرتے رہتے ہیں۔۔۔! چلے جاتے ہیں۔۔۔! واپس آتے ہیں۔۔۔! کھانا کھاتے ہیں۔۔۔! آپ کا طرز زندگی آپ کو مہلت نہیں دیتا کہ جو کچھ ہوتا رہتا ہے اس کے علاوہ کچھ اور ہونے کی جستجو کر سکیں۔ چنانچہ آپ کی شخصیت بہت بڑی حد تک اس سے متعین ہوتی ہے کہ the They آپ پر کس حد تک غالب آتا ہے۔

بامعنی وجود (Authentic Existence) ایک خاص تصور ہے، "Existence" اس کے مطابق اس وجودیت کو حاصل کرنے کے لیے آپ کو Ontological سوالات پہ غور کرنا چاہیے۔ وہ طرز زندگی آپ کو اختیار کرنا چاہیے جو آپ کو The They اور Fallenness کی Determination سے آزاد کرائے۔ یہ Authentic

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

Existence آپ اسی طریقے سے choose کر سکتے ہیں جب آپ اپنی موت کو سنجیدگی سے لیں۔ Heidegger کہتا ہے کہ آپ جو اکیلا کام صرف اپنے لیے کرتے ہیں (جہاں آپ کی Existence مکمل Realize ہوتی ہے) وہ آپ کی موت ہے۔ آپ کی موت ہی میں وہ تخلیق ہے جو صرف آپ کرتے ہیں۔ کوئی آپ کے لیے مر نہیں سکتا، آپ خود مرتے ہیں، اپنے لیے مرتے ہیں۔ چنانچہ Authentic Existence وہ Existence ہے جس میں آپ موت کا سنجیدگی کے ساتھ سامنا کرتے ہیں اور موت کا Seriously سامنا کر کے ہی آپ اپنے آپ کو the They سے اور دنیاداری (Every Dayness) سے نجات دلا سکتے ہیں۔ لیکن موت کا سنجیدگی سے کیسے سامنا کیا جائے؟ موت کو بامعنی کیسے بنایا جائے؟ Heidegger کے پاس کا کوئی جواب نہیں۔۔۔!!! Heidegger اس معاملے میں بالکل ویسے ہی خاموش ہے جیسے Wittgenstein اس بارے میں خاموش ہے کہ Value is outside the world, and how do you access the Value? Truth is outside the world and how do you access the truth?

اس سوال کا Wittgenstein کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اگر فی الواقع Authentic Existence وہی ہے جو موت کو سنجیدگی سے سامنا کرے تو الٰہی علوم، علوم لدنی اور معارف کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں جس کے ذریعے آپ بامقصد موت کا سامنا کر سکیں۔ Heidegger اور Wittgenstein کے یہاں یہ realization موجود ہے کہ مغربی تہذیب نے ان سوالات کو فراموش کر دیا ہے جن کا تعلق مابعد الطبیعاتی حقائق اور موت سے ہے۔ مغربی تہذیب نے وہ تمام راہیں مسدود کر دیں ہیں جن کے ذریعے ان سولات کا جواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن Heidegger اور Wittgenstein کوئی نئی راہیں نہیں کھول سکے۔ اقدار تک کیسے رسائی حاصل کی جائے، موت کا سامنا کیسے کیا جائے، ان کا جواب Wittgenstein کے پاس ہے نہ Heidegger کے پاس۔

زندگی کے معنی کہاں ملیں گے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم Wittgenstein کی تعلیمات کا خلاصہ عرض کریں تو وہ یہ کہتا ہے کہ معنی کو موت میں تلاش کرنا ہے۔ معنی کہاں ملیں گے۔ انسان کو زندگی کی حقیقت کا ادراک کہاں ہوگا؟ Habermas موت کا انکار ان معنوں میں کرتا ہے وہ کہتا ہے زندگی کے معنی کا ادراک زندگی میں ہوگا، موت میں نہیں ہوگا! معنی زندہ رہنے اور زندگی گزارنے میں حاصل ہوں گے۔ (ہیبر ماس بیسویں صدی کا اہم فلسفی ہے جو موجودہ دور میں تنویری اقدار کا دفاع پیش کر رہا ہے۔ موجودہ دور میں اس کی سطح کا کوئی فلسفی موجود نہیں۔ پہلے یہ امریکہ میں تھا اب جرمنی واپس آ گیا ہے۔ یورپین یونین کا Consultant ہے۔) Habermas کہتا ہے کہ معنی موت میں نہیں، زندگی میں ہیں اور Self انسانیت کا حصہ ہے۔ اور پوری انسانیت میں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسی دنیا میں ایک ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور یہ زندگی سب کو مل کر ساتھ گزارنا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر نفوس کے درمیان ہونے والا تبادلہ خیال (Inter Subjective communication) صحیح اصولوں کے مطابق مستقل ہوتا رہے (یعنی Discourse میں بھی اور Practices میں بھی)، تو اس کے نتیجے میں Experience کے معنی واضح ہو جائیں گے۔

ہیبر ماس کا فلسفہ کیا ہے؟

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہیبر ماس، Hermeneutics اور Phenomenology وغیرہ سے متاثر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ Inter-subjective communication کے ذریعے ہم اپنے تجربات کے ایسے معنی حاصل کر سکتے ہیں جو فی الواقع آفاقی معنی ہوں۔ ہم ایسے حقائق کا ادراک کر سکتے ہیں جو فی الواقع آفاقی ہوں۔ اسی دنیا میں۔۔۔ اسی زندگی کو Share کر کے۔۔۔ اور ایک دوسرے سے بلا روک ٹوک Communicate کر کے ان معنوں کا ادراک کر سکتے ہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ دنیا میں فی الواقع ایسا ہوتا نہیں ہے۔۔۔ اور ایسا کیوں نہیں ہوتا اس کی وہ بہت سی وجوہات بیان کرتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر وہ کہتا ہے کہ سیاسی قوت اس وقت ایسی قوت ہے، جو اس طریقے سے مرتب ہے کہ Inter-subjective communication کو ممکن نہیں ہونے دیتی تو اگر حقیقی جمہوریت (True Democracy) قائم کی جائے اور حقیقی جمہوریت سے اس کی مراد یہی ہے کہ Inter-subjective communication کی راہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں جو رکاوٹیں ہیں (بالخصوص میڈیا نے کھڑی کر رکھیں ہیں مثلاً کمیونیکیشن کو distort کرنا وغیرہ) ان کو ختم کر دیا جائے تو ہم Experiences کا تبادلہ کر کے meaning تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور meaning تک رسائی حاصل کرنے کے لیے حقیقی جمہوریت قائم کرنا ضروری ہے۔ ایسی جمہوریت جہاں کمیونیکیشن کو کسی خاص مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جا رہا ہو، وہاں ہم صحیح معنی تک پہنچ سکتے ہیں۔

انسان خالق ہے اور خالق کائنات بھی! سارتر کا فلسفہ

بیسویں صدی کا ایک اور مفکر کہ جس کا Existentialism میں بہت اہم مقام ہے وہ ہے سارتر۔ سارتر کے مطابق آزادی مطلق ہے اور کوئی بھی ایسے Choices نہیں ہیں کہ جو لازماً انسان کو اختیار کرنے پڑیں۔ آزادی مطلق ہے اور کوئی قطعی choice موجود نہیں۔ ایسی کوئی بھی چیزیں نہیں انسان جنہیں چننے پر مجبور ہے۔ بلکہ آزادی absolute ہے۔ نفس، ذات یا Self خود کوئی چیز نہیں ہے۔ Self کو Create کرنا پڑتا ہے۔ یہاں سے بنیادی فرق پیدا ہوتا ہے کہ انسان خالق ہے۔ The self has to be created --- Self خود اپنے آپ کو تخلیق کرتا ہے۔ اور Self دنیا کو ویسا بنا سکتا ہے جیسا وہ ہے۔ Self کے اندر یہ استطاعت ہے کہ نہ صرف وہ اپنے آپ کو خود تخلیق کرے بلکہ وہ دنیا کو بھی تخلیق کرے۔ وہ دنیا کو، جس طریقے سے بھی چاہتا ہے، تخلیق کر سکتا ہے اس لیے کہ کوئی بھی Choice قطعی اور ضروری نہیں ہے۔ آزادی تو مطلق ہے۔

چنانچہ انسان خالق ہے --- اپنے آپ کا بھی اور کائنات کا بھی۔ وہ کائنات کو ویسا ہی بنا سکتا ہے جیسا وہ اس کو بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ جس چیز کی بنیادی طور پر انسان کوشش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خدا بن جائے۔ Explicitly سارتر کے ہاں یہ تصور موجود ہے (پوری تاریخ میں بین السطور اور سارتر کے ہاں صاف الفاظ میں ہے کہ انسان کی اصلی خواہش یہی ہے کہ وہ خدا بن جائے۔ خدا کن معنوں میں بن جائے؟ ان معنوں میں کہ وہ جو چاہے اسے ممکن بنا دے۔) اور اگر آپ خدا نہیں بننا چاہتے تو یہی Bad Faith ہے۔ یعنی خدا بننے کی خواہش نہ کرنا Bad faith ہے۔ دوسری جگہ وہ کہتا ہے کہ دوسرے کا وجود جہنم ہے (Hell is other people)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی خدا بننا چاہتے ہیں لہٰذا خدا بننے کا عمل کیا ہے؟ خدا بننے کا عمل یہ ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ آزادی اور تخلیقیت کے لیے اور زیادہ سے زیادہ جستجو اور جدوجہد کریں اور اس کو ممکن بنانے کے لیے کہ جیسا آپ دنیا کو بنانا چاہتے ہیں، اسے ویسا بنا دیں! یا آپ خود جیسا بننا چاہتے ہیں ویسا بن جائیں۔ لیکن سارتر کا ہی ایک ہم عصر اور ساتھی Camus کہتا ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ آپ کی تخلیقیت کی ایک حد ہے اور وہ حد کیا ہے؟ وہ موت ہے! جس وقت آپ مر جاتے ہیں اس وقت کیا واضح ہوتا ہے؟ اس وقت یہ واضح ہوتا ہے زندگی ایک مہمل چیز ہے۔ زندگی بے معنی شے ہے۔ تو فی الواقع زندگی ایک tragedy ہے۔ Tragedy ان معنوں میں کہ کوشش آپ اس چیز کی کرتے ہیں جو چیز کبھی ممکن ہو ہی نہیں سکتی۔ جس چیز کو آپ کبھی تخلیق ہی نہیں کر سکتے۔ وہ ابدیت ہے۔ آپ بنیادی طور پر خدا بننا چاہتے ہیں تو خدا کی تو یہی ہے خصوصیت ہے کہ نہ اس کی انتہا ہے، نہ ابتدا۔ جبکہ انسان کی انتہا موت ہے لہٰذا خود تخلیقیت کے لیے انسان کی سعی وجدوجہد اور کائنات کی تخلیقیت کی کوشش فعل عبث ہے اس لیے کہ انسان کی موت یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان محدود ہے اور انسان کی تخلیقیت اختتام پذیر ہے۔

فوکالٹ کا فلسفہ 'آفاقی قوانین تخلیق نہیں کیے جا سکتے'

ایک دو اور فلسفیوں کا تذکرہ کروں گا لیکن بنیادی طور پر آخری فلسفی جس کا میں تذکرہ کرنا چاہوں گا وہ Foucault ہے۔ فوکالٹ کے دو استاد تھے اور دونوں ہی structuralist تھے۔ ایک Levi Strauss اور دوسرا Althusser، جو مارکسسٹ تھا۔ Levi Strauss اور anthropologist تھا اور اس کا اثر فوکالٹ پر ہوا۔ حالانکہ فوکالٹ کا مقام Levi Strauss اور Althusser سے بلند ہے۔ فوکالٹ محض Structuralist نہیں ہے بلکہ ایک آگے کی چیز ہے۔ اس کی فکر میں زیادہ گہرائی ہے وہ مغربی تہذیب کے زیادہ آدرشوں کو جمع کرتا ہے۔ فوکالٹ بیسویں صدی کے دوسرے نصف کا بہت اہم فلسفی ہے۔ ہم گفتگو اس سوال سے شروع کرتے ہیں کہ ساختیت (Structuralism) کا مرکزی خیال کیا ہے؟۔ ساختیت کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسانی تعلقات کے جو قوانین ہیں ان کا ادراک آپ زبانوں یا ثقافت کے تجزیے کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ ثقافت اور زبان کے تجزیے کے ذریعے آپ یہ بھی جان سکتے ہیں کہ انسانوں کے رویوں کو متعین کرنے والے قوانین کون سے ہیں۔ اسی مرکزی خیال کی تجدید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Modification) کر کے فوکو نے مغربی تہذیب کا مطالعہ کیا۔ مغربی تہذیب کے جو کلیدی تصورات ہیں ان کا جائزہ لیا اور ان کی genealogy دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مغربی تہذیب کا اس لیے مطالعہ کیا تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ مغربی اقدار کی تاریخی جڑیں (Historical Root) کیا ہیں۔ کہاں سے وہ تصورات نکلے ہیں جن کی بنیاد پر آج مغربی تہذیب اپنی توجیہہ (Justification) پیش کرتی ہے۔ زیادہ تفصیل بیان ممکن نہیں لیکن جو چیز ہمارے لیے ضروری ہے وہ یہ کہ اس علم کے ذریعے وہ اس نتیجے تک پہنچا کہ ایسے قوانین جو آفاقی ہوں وہ کسی خاص تہذیب کے مطالعے سے یا کسی خاص Ideology کو واضح کرنے سے نہیں نکلتے۔

مغربی تہذیب کا اس نے جو مطالعہ اور تجزیہ کیا۔۔۔ اس نے اس کو اس نتیجے پر پہنچا دیا کہ آفاقی قوانین کو derive نہیں کیا جا سکتا۔

مغربی تہذیب انسان کی موت کا اعلان کرتی ہے

فوکالٹ کہتا ہے کہ ان معنوں میں مغربی تہذیب کا المیہ یہ ہے کہ یہ صرف خدا کی موت کا اعلان نہیں کرتی (جیسے کہ نطشے نے کہا تھا کہ خدا مر گیا) بلکہ یہ تہذیب تو انسان کی موت کا بھی اعلان کرتی ہے۔ خدا مر گیا ان معنوں میں کہ اب will to power کے نتیجے میں ہم اپنی بقاء کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ اور ہمیں کسی خدا کی ضرورت نہیں کہ زندگی کیسے بسر کی جائے تاکہ ہمیں ابدی زندگی ملے۔۔۔! will to power کے ذریعے ہم خود Survive کر سکتے ہیں۔ فوکالٹ کہتا ہے کہ یہ صرف خدا کی موت نہیں بلکہ انسان کی بھی موت ہے۔ (This is not only the death of God but also the death of man) انسان کی موت کیا ہے؟ ہم اپنے تجربات کے حوالے سے آفاقی قوانین نہیں شناخت کر سکتے جس کی بنیاد پر ہم کہہ سکیں کہ انسانیت کے زندگی گزارنے کا یہ طریقہ ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ علم معاشرتی بنیادوں پر تشکیل کردہ ہے اور علم کو جو لوگ معاشرتی بنیادوں پر تشکیل دیتے ہیں ان کا اس کے پیچھے ایک خاص مقصد ہوتا ہے وہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ وہ ایک خاص معاشرے کے اندر غالب رہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغربی تہذیب کا بنیادی مقصد دنیا پر غلبہ ہے

فوکالٹ کے یہاں علم اور قوت ایک ہی چیز ہے۔ وہ علم اور قوت کے درمیان ایک لکیر کھینچتا ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ 'علم' اور 'قوت' لکھتا ہے تو اکٹھا لکھتا ہے 'قوت/علم' (Knowledge/Power)۔ علم اور قوت ایک ہی چیز ہے۔ علم بھی اسی لیے حاصل کیا جاتا ہے۔ ان معنوں میں وہ Nietzschean ہے، چونکہ اس کے نزدیک بھی اصل چیز بقاء ہے۔ اصل چیز زندہ رہنا ہے، اصل چیز بالادستی قائم کرنا ہے، حق کی تلاش اصل نہیں ہے۔ **چنانچہ مغربی تہذیب کے بنیادی آدرش، اور بنیادی اقدار مغربی تہذیب کو غالب کرنے کے سوا کچھ نہیں۔** فوکو کہتا ہے کہ مغربی فکر کے بنیادی تصورات بنیادی طور پر مغرب کے غلبہ کے ذرائع ہیں اور گو کہ وہ ان اقدار کو حق سمجھتا ہے۔ یعنی فوکو کے ہاں آزادی کی کوئی نفی نہیں۔ (آزادی وہ واحد تصور ہے جس پر مغرب کا ہر مفکر متفق ہے) آزادی قدر مشترک ہے جو مغربی تہذیب کی بنیادی خصوصیت ہے۔۔۔ وہاں آزادی پر یقین ہے۔۔۔ ایمان ہے۔ آزادی پر ایمان انسان پر ایمان کے مماثل ہے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان قائم بالذات ہے۔ اسی لیے مغربی تہذیب کا بنیادی کلمہ ہے "لا الہ الا الانسان"۔ اس کو کہیں بہت زور سے کہا گیا ہے کہیں کم زور سے۔ اہل مغرب کم از کم علمی بنیادوں پر آزادی کی قدر پر متفق ہیں۔ فوکو بھی اس سے متفق ہے۔ فوکو کے ہاں اس بات کی realization۔۔۔ اس کا اقرار کہ مغرب کی اقدار کا فروغ غلبے کا ہی ذریعہ ہیں اور ان کی کوئی آفاقی حیثیت نہیں وغیرہ۔ اس کے نتیجے میں وہ یہ فیصلہ نہیں کرتا کہ یہ اقدار رد کیے جائیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ یہ کہتا ہو کہ انسان اس چیز کی مستقل کوشش کرتا ہے کہ اپنی خود ارادیت کو برقرار رکھ سکے۔۔۔ وہ غلبہ کے خلاف ہمیشہ جدوجہد کرتا ہے، لیکن اس کو یہ خود ارادیت کس چیز نے بخشی ہے؟ سرمایہ داری نے!!! کیپٹل کو ناگزیر (inevitable) سمجھتا ہے۔ بیسویں صدی کے بڑے مفکرین میں اکثریت ان فلسفیوں کی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کو آزادی کے حصول کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ فوکو، سارتر، ہیبر ماس کے یہاں سرمایہ دارانہ نظام کو transcend کرنا ان کے ایجنڈا میں کسی نہ کسی شکل میں شامل رہتا ہے۔ (اگرچہ عملاً یہ ناممکن ہے لیکن in principle موجود ہے)۔ فوکو کے ہاں یہ بات بالکل واضح ہے کہ سرمایہ دارانہ داخلیت ہی وہ داخلیت ہے کہ جس نے ہمیں آزادی عطا کی۔ چنانچہ غلبے کو ختم کرنے کی ہماری جدوجہد دراصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخصوص غلبہ کو ختم کرنے کی جدوجہد ہے۔

یہ جدوجہد سرمائے کی داخلیت کو ختم کرنے کی جدوجہد نہیں ہے۔ ہم اس پہ مطمئن ہیں کہ ہم capital کے بندے ہیں، خدا (God) کے بندے نہیں ہیں۔ اس پر فو کو بالکل مطمئن ہے اور اس کے ہاں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جیسی کہ سارتر کے اور Camus کے ہاں موجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ تجربے کرتے رہنا چاہیے تاکہ Domination کم ہو۔ اور Capitalist Subjectivity، internalize ہو۔ ہم خود subject of capital نہیں ہیں۔ ہمیں capital کے subject بننے پر مجبور نہ کیا جا سکے۔ چنانچہ سرمایہ داری میں Struggle کی جگہ موجود ہے۔ لیکن یہ جدوجہد ایسی جدوجہد نہیں ہونی چاہیے جس کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ subjectivity خطرے میں پڑ جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ struggle ایسی ہونی چاہیے جو محض مخصوص domination کو کم کر سکے اور capitalist subjectfication داخلی (internalize) ہو جائے۔ انسان خوشی سے سرمائے کی داخلیت کو خود قبول کر لے۔

Derrida کا فلسفہ کیا ہے؟

آخری آدمی جس کے بارے میں کچھ عرض کروں گا وہ Derrida ہے۔ ساختیت (Structuralism) میں اس کی بھی خاص اہمیت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام struggle وغیرہ بے معنی ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اصل میں subject تو ہے ہی نہیں، انسان تو موجود ہی نہیں۔ صرف تعلقات ہیں ان کے آپ کتنے بھی Analysis کر لیں آپ کو یہ پتا چلتا ہے کہ ایک خاص power structure کو sustain کرنے والے ہیں لہٰذا آپ تو محض deconstruct کر سکتے ہیں۔ نہ کوئی subject ہے نہ کوئی author ہے۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہے صرف تعلقات کا ایک تانا بانا ہے۔ اس کو جب آپ دیکھتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ قوت کیسے مرتکز ہو رہی ہے۔ آپ کو ہر چیز کی اصل حقیقت کو بیان کر دینا ہے اور وہ کیسے بیان کر سکتے ہیں (through a power of deconstruction.) Derrida کی رائے کے نتیجے میں اس کے ہاں سے کوئی مثبت خیال نہیں نکلتا۔ لیکن مغربی تہذیب کے مختلف آدرشوں کی جو inconsistencies

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں ان inconsistencies کو بیان کرنے کے لیے Derrida کا discourse کسی نہ کسی حد تک اہمیت کا حامل ہے۔

ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اسلامی الٰہیات اور اسلامی تصورات ontology کے سوالات کو بنیاد بنا کر اسی طریقے سے کہ جس پر ہمارا اجماع ہے، ان مغربی مفکرین کا اسلامی محاکمہ پیش کریں۔ کانٹ، ہیگل، مارکس نطشے، فرائڈ، وٹگنسٹائن، ہیبر ماس، ہائی ڈگر اور فوکو۔ جب ہم یہ کام کرنا شروع کریں گے اس وقت ہم مغربی تہذیب کی اصلیت اور روحانیت کا ادراک حاصل کر سکیں گے۔ مغربی تہذیب ایک باطل تہذیب ہے اور مغربی تہذیب سے کسی مصالحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے اعتقادات حق۔۔۔، خیر۔۔۔ اور آخرت کی نفی پر مشتمل ہیں اور یہ خالص کفر ہیں۔ انسان کے بارے میں، کائنات کے بارے میں، تصور خیر کے بارے میں، تصور حق کے بارے میں یہ 'انکار' شرک سے بھی آگے کی ایک منزل ہے۔ مغرب اور مذاہب عالم اور خصوصاً اسلام کے مابین بنیادی نوعیت کے علمیاتی اختلافات ہیں لہٰذا مغرب و مشرق کے درمیان مصالحت و مکالمے کی کوشش ایک غیر فطری کوشش نظر آتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیسرا باب

فلسفہ جمہوریت کا محاکمہ

اس باب کا موضوع 'جمہوریت' ہے، میں کوشش کروں گا کہ جمہوریت کی اصلیت، اس کی ماہیت اور اس کی حیثیت وحقیقت اور موجودہ زمانے میں اس کے کردار کے حوالے سے چند گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کروں اور اس ضمن میں اُس حکمتِ عملی کا بھی تذکرہ کروں جس کو اپنا کر ملکی اور عالمی سطح پر ایک جمہوری معاشرہ اور جمہوری ریاست قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

بنیادی طور پر جو فکر، عمل، عقیدہ اور نظریہ آج پوری دنیا میں غالب ہے اسے ہم 'سرمایہ داری' کہہ سکتے ہیں۔ یہ فکر اور نظام انسان کو 'خدا کا بندہ' بننے کی بجائے 'حرص اور حسد کا بندہ' بناتا ہے اسی کو ہم کہتے ہیں:

Transforming the subject of God into subject of Capital.)

(خدا کے بندے کو سرمایہ کے بندے میں تبدیل کر دینا)

جو نظام اس وقت غالب ہے وہ سرمائے کا نظام ہے اور سرمائے سے مراد محض حرص وحسد ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ سرمائے کی حیثیت صرف یہ ہے کہ حرص اور حسد قلوب کو مسخر کر لیں۔ یہ کیفیت صرف امیر آدمی پر طاری نہیں ہوتی۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ تاجر اور صنعتکار کو صرف حرص وحسد مسخر کریں، مزدور کو بھی مسخر کر سکتے ہیں۔ ایک یونیورسٹی میں پڑھانے والے کو بھی حرص وحسد مسخر کر سکتے ہیں۔ لہٰذا حرص وحسد کی یہ کیفیت جس شخص اور جس معاشرے پر غالب ہو وہ شخصیت **سرمایہ دارانہ شخصیت** اور وہ معاشرہ **سرمایہ دارانہ معاشرہ** ہے، خواہ نظریاتی طور پر وہ معاشرہ کتنے ہی دعوے کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا سرمایہ داری دراصل کسی بھی معاشرے میں حرص وحسد کے جذباتِ خبیثہ کے عام ہو جانے کی کیفیت کا نام ہے۔ ان معنوں میں سرمایہ داری ایک عمومی تصور ہے جس میں ہر وہ شخص شامل ہوتا ہے جس کے قلب پر حرص وحسد کا قبضہ ہو جائے تو ان معنوں میں سرمایہ دارانہ نظام سے ہماری مراد وہ نظام ہے جہاں کا تعقل اور جہاں کی ترتیبِ اعمال اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ حرص وحسد کو ایک منظم انداز میں (Systematically) فروغ حاصل ہو۔

جمہوریت سرمایہ داری کے غلبے کی تنظیم

اس سرمایہ دارانہ نظام کی سیاسی اور معاشرتی تنظیم کو ہم جمہوریت کہتے ہیں۔ جمہوریت سرمایہ داروں کے غلبے کا آلہ کار ہے۔ جمہوریت کا آپ کوئی دوسرا نام رکھنا چاہیں تو رکھ لیں لیکن تاریخی طور پر جس چیز کو جمہوریت کہا گیا اور جو بحیثیت جمہوریت کے غالب آئی ہے۔۔۔ معاشرے اور ریاست کی وہ صف بندی جس کے نتیجے میں سرمایے کا غلبہ ممکن ہو سکے، یا سرمایے کا غلبہ عام ہو، تاریخی طور پر ہم اس کو جمہوریت کہتے ہیں۔ مغربی تناظر میں اگر ہم جمہوریت کے فروغ اور ارتقاء کی کوئی تاریخ لکھیں اور کوئی ہم سے پوچھے کہ جمہوریت کیا چیز ہے؟ تو ہم یہی عرض کریں گے کہ جمہوریت وہ معاشرتی اور ریاستی صف بندی ہے جس کے نتیجے میں سرمائے کی بالادستی اور سرمائے کا غلبہ انفرادی زندگی پر بھی، اور معاشرے اور ریاست پر بھی، مسلط ہو جاتا ہے اور مستحکم کیا جاتا ہے۔ جمہوریت کا مقصد سرمائے کے غلبے کو مستحکم کرنا ہے اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں!!! جمہوریت کی تعریف اگر تاریخی طور پر کی جائے تو اس طریقے سے کی جا سکتی ہے کہ جمہوریت وہ نظام، وہ معاشرتی و سیاسی حکمتِ عملی ہے جس کے نتیجے میں سرمائے کے غلبے کو بحیثیت مجموعی انفرادی سطح پر، منظم و مربوط طریقے سے معاشرے کی سطح پر اور ریاست کی سطح پر قائم کیا جاتا ہے۔

جمہوریت میں فرد کی اخلاقی حیثیت سے کوئی بحث نہیں

جمہوریت جس بنیادی مفروضے پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ تمام افراد برابر ہیں۔ ہر فرد دوسرے فرد کے برابر ہے، ان معنوں میں کہ اس نے جس طریقے سے بھی اپنے نفس میں خواہشات کا پیمانہ مرتب کیا ہے۔ وہ اس کی اس حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتی کہ وہ معاشرے میں کیا مقام رکھتا ہے یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریاست میں کیا مقام رکھتا ہے۔ وہ شخص جو عابد و زاہد ہے جس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں اور خواہشات کے مطابق مرتب ہوتی ہے اور وہ شخص کہ جس نے اپنے نفس کو شیطان کے سپرد کر دیا ہے اور جس کے نزدیک زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرنا زندگی کا مقصد ہے، ریاست اور معاشرے کی سطح میں دونوں برابر ہیں اور یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ آزادی کے اسی تصور (Equal Freedom) پر جمہوریت کی بنیاد ہے۔ ایک فرد کے اپنے نفس کے اندر جو بھی خواہشات، میلانات اور جذبات ہیں۔ ان کی ترتیب کس نوعیت کی ہو، معاشرتی عدل اور ریاستی عمل کے تعین کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور معاشرتی عدل و تنظیم اور ریاستی تنظیم میں اس کو دوسرے فرد کے برابر سمجھا جائے گا اس چیز سے آنکھیں بند کر کے کہ اس کی اپنی اخلاقی زندگی (Moral Life)، اس کی اپنی تعین اقدار کیا ہے۔ ان معنوں میں آپ ہر دوسرے شخص کے برابر ہیں۔ ایک زانی اور شرابی۔۔۔ ایک نمازی اور پرہیز گار کے برابر ہے۔ اسی طریقے سے ان کا ایک ووٹ ہے، اسی طریقے سے وہ سرمایہ دارانہ معاہدے (Contract) کا شریک حصہ دار ہو سکتا ہے جس طریقے سے دوسرا شخص۔ تو جمہوریت کی بنیاد یہ ہے ہم اس بات کو نظر انداز کرتے ہیں کہ لوگوں کی اخلاقی اور روحانی حالت اور کیفیت کیا ہے؟ ان کی روحانی اور اخلاقی کیفیت اور حالت کچھ بھی ہو، معاشرے اور ریاستی نظام میں ان کا مقام یکساں ہے، اسے ہم مساوی آزادی (Equal Freedom) کہتے ہیں۔ ان معنوں میں مساوات (Equality) اور آزادی (Freedom) بالکل لازم و ملزوم ہیں۔

اسلامی معاشرتی درجہ بندی کیا ہے؟

ناممکن ہے کہ ہم ایک ایسا نظام تعمیر کریں جو عبادتِ الٰہی کی بنیاد پر قائم ہو اور اس کے اندر ہم مساوات کو شامل کر لیں۔ لازماً اگر ہم نے ایک ایسا نظام قائم کیا کہ جس کے اندر عبادت مقصود ہے اور عبادت کو متشکل کرنے کے لیے ہم اپنے معاشرے اور ریاست کی صف بندی کر رہے ہیں تو لازماً ہمیں اسلامی اور اسلامی معاشرتی درجہ بندی کو قبول کرنا ہوگا۔ میں اس معاملے میں چونکہ ایک نابلد آدمی ہوں اس لیے اس کی تفصیل نہیں بیان کر سکتا لیکن اسلامی معاشرہ وہ ہوگا جہاں اہل تقویٰ، اہل الرائے اور اللہ والے قیادت کا منصب اختیار کریں گے اور باقی ان کے تابع ہوں گے۔ وہ مزکی اور مربی ہوں گے اور باقی حضرات کی تربیت فرمائیں گے۔ اسلامی صف بندی اصل میں اسی درجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بندی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ جہاں ہم لوگوں کے نفس کی کیفیت کی بنیاد پر ان کو ذمہ داریاں سپرد کرتے ہیں، معاشرتی سطح پر بھی اور ریاستی سطح پر بھی۔۔۔ جمہوریت اس معاشرتی درجہ بندی کی نفی ہے، معاشرتی سطح پر بھی اور ریاستی سطح پر بھی۔ وہ کہتی ہے، ''نہیں! سب برابر ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک شخص کی نفسی کیفیت کیا ہے اس کا حال کیا ہے، اس کا مقام کیا ہے اس کی روحانی وسعت کیا ہے؟ اس کی علوم لدنی تک کتنی رسائی ہے، اللہ کی مرضی کا کتنا تابع ہے۔ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ اس کا معاشرتی اور ریاستی عمل سے کوئی تعلق نہیں۔'' اسی لیے ہر جمہوری نظام میں جو بنیادی چیز ہے وہ ہے 'دستور'۔

جمہوری ریاست میں دستور کتاب اللہ کا متبادل بن جاتا ہے

دستور ہی کے اردگرد یہ مساوی آزادی مرتب کی جاتی ہے اور دستور اصل میں کتاب اللہ کی جگہ لیتا ہے۔ سب سے پہلا دستور جو بنا وہ امریکہ ہی کا دستور تھا۔ 1780ء کے دورانیہ میں پہلے فیڈرلسٹ پیپر (Federalist Paper) اور اس کے بعد دستور بنا۔ اس نے فی الواقع صریحاً انجیل کی جگہ لی۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں جمہوریت قائم ہوئی خواہ وہ مذہبی ریاستیں تھیں یا اسلامی حکومتیں ان سب نے دستور کی بالادستی قبول کی اور عملاً ان تمام اسلامی و نظریاتی ریاستوں میں دستور نے کتاب اللہ کی جگہ لے لی۔ اصل میں دستور کی اہمیت اس لیے ہے کہ دستور ہی کے ذریعے یہ مساوی آزادی (Equal Freedom) ممکن بنائی جاتی ہے۔ لیکن مساوی آزادی کے تصور کو سمجھنا نہایت اہم ہے اور مساوی آزادی کے تصور کو رد کیے بغیر معاشرتی اور ریاستی سطح پر احیائے اسلامی کا کام منظم کرنا ناممکن ہے۔

جمہوری معاشرے میں تعلقات کی بنیاد غرض ہے

اب میں جمہوری معاشرے اور جمہوری ریاست کے بارے میں چند باتیں عرض کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جمہوری معاشرہ ہم اس معاشرے کو کہہ سکتے ہیں جہاں وہ صفات عام ہوں جن کے نتیجے میں سرمائے کے ارتکاز کو اور سرمائے کی بڑھوتری کو تقویت ملے۔ جمہوری معاشرہ وہ معاشرہ ہے جہاں تمام تعلقات کی بنیاد غرض پر ہوتی ہے۔ ان معنوں میں جمہوری معاشرے کو سول سوسائٹی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں اور سول سوسائٹی مذہبی معاشرہ کی نفی ہے۔ یورپ میں جب سول سوسائٹی وجود پذیر ہوئی تو اس نے مذہبی معاشرہ کو ختم کر دیا۔ عیسائی معاشرت کو ختم کیا اور عیسائی معاشرت اور سول سوسائٹی میں بنیادی فرق یہ تھا کہ عیسائی سوسائٹی محبت اور صلہ رحمی پہ قائم تھی، جبکہ سول سوسائٹی معاہدے، فائدے، حرص وحسد اور غرض کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی۔

سول سوسائٹی اور مذہبی معاشرے کا فرق

lineage جسے ہم 'صلہ رحمی' کہتے ہیں، عیسائی معاشرت صلہ رحمی اور محبت پہ قائم تھی اور عیسائی معاشرے یا مذہبی معاشرے کی جو بنیادی صف بندی ہوتی ہے وہ صلہ رحمی ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔۔۔ محبت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔۔۔ اتفاق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔۔۔ قربانی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔۔۔ اس کے برعکس جمہوری سوسائٹی یا سول سوسائٹی کی بنیاد 'کنٹریکٹ' ہوتی ہے۔ کنٹریکٹ سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے خاص مقاصد کو، جو کچھ بھی آپ نے مقاصد اپنے لیے متعین کیے ہیں، حاصل کرنے کے لیے دوسرے کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ کریں جس کے نتیجے میں وہ آپ کو ان مقاصد کے حصول میں مدد دے۔ چنانچہ آپ اس سے محبت نہیں کرتے بلکہ آپ کی ایک باہمی غرض ہوتی ہے ۔۔۔ ایک غرض آپ کی اور ایک غرض اُس کی۔۔۔ اور ان دونوں اغراض کو حاصل کرنے کے لیے آپ ایک محدود تعاون کرتے ہیں۔ اس تعاون کے نتیجے میں آپ ایک دوسرے کو استعمال کر کے اپنی ذاتی اغراض کو حاصل کرتے ہیں۔ پورا معاشرہ اسی خودغرضانہ تعاون کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ مارکیٹ ایک استعماری مظہر ہے۔ کیونکہ وہ ہر تعلق کو اپنے اندر سمو لیتا ہے اور بنیادی طور پر سول سوسائٹی، مارکیٹ سوسائٹی ہی ہوتی ہے اور سول سوسائٹی کے اندر خودغرضانہ تعاون و معاہدے اور اغراض کی جستجو کے سوا کوئی دوسرا کام کرنے کی وقعت نہیں رہتی۔ اضافی قدر (relative value) کا تعین اسی بنیاد پر ہوتا ہے کہ آپ اپنے معاہدے کو کتنا پورا کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور کتنا پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ریاست کا بھی یہی ایک بنیادی فریضہ ہوتا ہے کہ معاہدوں کا نفاذ (Enforcement of Contracts) کرے۔ ریاست بھی ظاہر ہے ایک جمہوری ریاست ہوتی ہے۔ جمہوری ریاست کا جمہوری معاشرے سے گہرا تعلق ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہوری معاشرے اور مذہبی معاشرے کا فرق

جمہوری معاشرہ جمہوری ریاست کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہاں سمجھنے کی جو بات ہے، جو میں گزارش کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جمہوری معاشرے اور مذہبی معاشرے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جمہوری معاشرے میں تعلقات کی بنیاد غرض اور اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ مذہبی معاشرے میں تعلقات کی بنیاد صلہ رحمی اور محبت پر ہوتی ہے۔ مذہبی معاشرے کی خصوصیت یہ ہے کہ غیر کو اپنایا جاتا ہے۔ یہی 'غیر کو اپنا'' محبت ہے، اور صلہ رحمی ہے۔ سول سوسائٹی میں، بقول سارتر کے Hell is other people (غیر غیر ہی رہتا ہے)، سوائے اپنے کچھ خاص مقاصد حاصل کرنے کے لیے۔

سرمایہ دارانہ معاشرے نے کیا اقدار دیں؟

اٹھارویں صدی سے یورپ میں اس قسم کا معاشرہ قائم ہوا ہے۔ اس وقت جو معاشرہ تھا، جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں، غرض کی بنیاد پر قائم شدہ معاشرہ، یہ صرف چند شہروں میں تھا۔ نیپلز میں، فلارنس اور اٹلی کے کچھ شہروں میں۔ سوئٹزرلینڈ میں کہیں کہیں یورپین معاشرہ بحیثیت مجموعی عیسائیت کے زیر اثر تھا۔ سرمایہ دارانہ معاشرہ (سول سوسائٹی) بہت دھیرے دھیرے پھیلا۔ اس کے نتیجے میں بڑے بڑے شہر بنے اور پھر اس کے بعد ملک بنے اور پھر اس کے بعد یورپ میں بحیثیت مجموعی۔۔۔ اور پھر اس کے بعد یورپ کی نو آبادیات میں یہ معاشرہ پھیل گیا۔ تو ہم یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں کون سے اخلاق نے فروغ پایا؟

کن اوصاف نے فروغ پایا ہے؟ جب آپ نے مذہبی معاشرے کو تبدیل کر کے ایک سول معاشرہ بنا دیا تو اس کے نتیجے میں کن اخلاق نے فروغ پایا؟ تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جن اخلاق نے فروغ پایا وہ حرص وحسد اور شہوت وغضب کے جذبات تھے۔ کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا ہے کہ اس تبدیلی کے بعد عملاً جن اقدار نے فروغ پایا وہ اقدارِ رذیلہ تھے، اور وہ حرص وحسد اور طمع وشہوت اور فرعونیت وغضب اور خود غرضی ہی تھے اور کچھ نہیں تھے۔۔۔ یہی یورپ کی تاریخ ہے! اور آپ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ اگر آپ نے دوسرے ممالک میں بھی ان بنیادوں پر معاشرہ قائم کرنے کی کوشش کی تو اس سے جنسی بے راہ روی، اخلاقی پس ماندگی، زبوں حالی، نفس کی غلاظت وکثافت کے سوا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرا نتیجہ آپ برآمد کر پائیں گے۔ اس کی کیا کوئی دلیل ہے؟ کوئی منطق ہے جو یہ کہہ سکے کہ یورپ میں جو ہوا وہ ہمارے ہاں نہیں ہوگا۔۔۔ ہم اپنے ہاں ایک سول سوسائٹی قائم کر دیں گے لیکن اس سول سوسائٹی کے قیام کے نتیجے میں اولیاء اللہ کی بہتات ہوگی۔ اس کی نہ کوئی تاریخی حیثیت ہے اور نہ منطق! ظاہر ہے کہ وہی اخلاق پیدا ہوئے جن اخلاق کا پیدا ہونا اور غالب آنا سرمائے کی بڑھوتری کے لیے ضروری تھا۔ سرمائے کی بڑھوتری اور حرص وحسد کا فروغ پانا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ سرمایہ نام ہی اس کا ہے کہ حرص وحسد فروغ پائیں اور سرمایہ قلب کو مسخر کرے۔ سرمایہ یہی چیز ہے اس کے علاوہ سرمایہ کچھ نہیں۔ اس کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہے۔

سرمائے کی اصل حیثیت۔ اخلاقی گراوٹ!

آپ جانتے ہیں کہ اس وقت سرمائے کی جو شکل ہے وہ Finance ہے اور Finance کی کوئی حیثیت نہیں محض کمپیوٹر کی Memory کے اندر کچھ نکات (Dots) ہیں، اس کی اصلی حقیقت وہی ہے کہ وہ حرص وحسد ہے۔ ظاہر ہے کہ جس وقت آپ اپنی مجموعی کاوش کا مقصد حرص وحسد کی عمومیت قرار دیں تو معاشرے میں جو اخلاق فروغ پائیں گے وہ یہی اخلاق ہوں گے۔ اور آپ جانتے اور دیکھتے ہیں یہ کوئی قیاسی بات نہیں ہے۔ ایسی چیز ہے کہ جن معاشروں نے اپنے آپ کو سرمایہ داری، سرمایہ داروں اور استعمار کے سپرد کر دیا وہاں وہ تمام اخلاقِ رذیلہ اور وہ تمام خباثتیں پیدا ہو گئیں۔ جنسی بے راہ روی، حرص وحسد اور طمع وخود غرضی وغیرہ وغیرہ کہ جو یورپ میں اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی میں پیدا ہوئیں۔ یہی نہیں، یہ تمام خباثتیں تمام نوآبادیات میں بھی پیدا ہوئیں، آج آپ دیکھیں تھائی لینڈ، فلپائن اور ہندوستان میں ایڈز کی وبا ہے، یہ کس وجہ سے آئی؟ اس وجہ سے آئی کہ انہوں نے اپنے آپ کو سرمایہ داری اور استعمار کے سپرد کر دیا۔ جو بھی ملک اور معاشرہ اپنے آپ کو سرمائے کے سپرد کرے گا اس کے اندر معاشرتی سطح پر اخلاقی گراوٹ آنا لازم ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ برآمد ہو۔ لہٰذا سول سوسائٹی کو جواز فراہم کرنے کی کوشش کرنا اور بڑی سادگی سے یہ کہنا کہ نہیں سول سوسائٹی کے اندر انسان کو بہت سے حقوق ملتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور اسلام میں جن کی اجازت ہے مغربی فکر، فلسفے، تاریخ معاشروں سے ناواقفیت پر مبنی نقطہ نظر ہے۔ ایسا نقطہ نظر اختیار کرنا فی الواقع سول سوسائٹی کے قیام کے نتیجے میں معاشرے پر اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

افراد کی ذاتی زندگی پر جو اثرات ہوتے ہیں ان سے صرفِ نظر کرنا ہے اور اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ ہم سول سوسائٹی کے قیام کے قائل نہیں ہیں بلکہ یقیناً ہم سول سوسائٹی کو تاریخی گمراہی اور طاغوت سمجھتے ہیں اور اس بات کی کوشش کریں گے کہ اسلامی معاشرتی اور ریاستی صف بندی ہو جس میں اہل تقویٰ اور اہل اللہ کی سیادت کو مستحکم کیا جائے اور اہل اللہ اور اہل تقویٰ کی سیادت کو معاشرے اور ریاست کی ہر سطح پر تسلیم کیا جائے، اس کو قائم کرنا اخلاقِ حمیدہ کے فروغ کے لیے لازم ہے۔ اگر سیادت اور قیادت علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے ہاتھ سے نکل کر کسی دوسرے طبقے کے ہاتھ میں چلی گئی تو یہ ظلم ہوگا، معاشرے کے ساتھ، ریاست کے ساتھ، اور فرد کے ساتھ ہوگا! اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ معاشرے اور ریاست کی ہر سطح پر قیادت کا منصب صرف علماء کا منصب ہے اس لیے کہ جب علماء کو اس سیادت و قیادت سے محروم کیا گیا اور سیادت و قیادت دوسرے افراد کے ہاتھ میں دی گئی تو اس کے نتیجے میں معاشرے میں جو چیز پھیلی وہ اخلاقِ رذیلہ اور منکرات تھے۔ آج سول سوسائٹی کو قائم کرنے کے لیے جو کوششیں نظر آتی ہیں ان کا بھی میں اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دوں۔

سول سوسائٹی اور این۔جی۔اوز

سول سوسائٹی کو قائم کرنے کے لیے جو بنیادی ایجنسی آج کی دنیا میں موجود ہے اسے NGO کہتے ہیں؛ اس NGO کی تحریک کے پیچھے استعمار کا ہاتھ ہے۔ NGOs کے مقاصد بنیادی طور پر معاشرے کو غرض (Interest) کی بنیاد پر تقسیم کرنا ہے۔ صلہ رحمی کی بنیاد پر جو فطری صف بندی معاشرے میں موجود ہے اس کو ختم کر کے غرض کی بنیاد پر سوسائٹی کو دوبارہ منظم کرنا تاکہ انسان بنیادی طور پر کسی خاص غرض کے حصول کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھے۔ اس کے نتیجے میں معاشرتی سطح پر جو تحاریک یا Movements اٹھتی ہیں انہیں ہم کہتے ہیں Foucauldian Movements۔

Foucauldian تحاریک یا سنگل ایشو مومنٹس

Foucauldian Movements کیوں؟ اس لیے کہ فوکالٹ کہتا تھا کہ سرمایہ دارانہ شخصیت (Subjectivity) آزادی کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن سرمایہ دارانہ شخصیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Subjectivity) کا اپنے آپ کو سرمایہ کے سپرد کر دینے کا عمل اس چیز کا متقاضی ہے کہ آپ متعین غلبہ (Specific dominations) کو رد (resist) کرتے رہیں۔ آپ خالص کسی ایک معاملے (Issue) کو لے کر اپنی آزادی کے حصول کے لیے جدوجہد (Struggle) کرتے رہیں۔ کسی ایک مسئلہ پر مثلاً 'پانی نہیں آ رہا' تمام لوگوں کو اس بات پر متحد کیا جائے کہ 'پانی لاؤ'، 'تعلیم نہیں مل رہی' تمام افراد کو اس چیز پر متحد کیا جائے کہ تعلیم حاصل کی جائے۔ کوئی بھی Single Issue Movement اس پورے خاکے کو چیلنج کیے بغیر۔۔۔ کہ تعلیم حاصل کر کے اور پانی کا حصول ممکن بنا کے تم بحیثیت مجموعی کس نظام کا غلبہ چاہتے ہو؟ اس بڑے سوال کو اٹھائے! بغیر ان Single Issue Movements کے ذریعے حصولِ عدل کو سرمایہ دارانہ نظام سے ہم آہنگ کیا جا سکے، کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں وہ وسعت موجود ہے جس کے نتیجے میں ہم ان سنگل ایشوز کا حل اس طریقے سے حاصل کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ حکمتِ عملی بحیثیت مجموعی مستحکم ہو۔ اسے ہم کہتے ہیں Foucauldian تحریک۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن جو بات اچھے طریقے سے سمجھ لینے کی ہے وہ یہ ہے کہ غیر حکومتی تنظیمیں (NGOs) استعمار کی وہ ایجنسیاں ہیں جس کے نتیجے میں لوگوں کی خودغرضیوں کو بنیاد بنا کر ان میں سرمایہ دارانہ نظام کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی جا رہی ہے۔ ان خودغرضیوں کی جدوجہد اور ان خودغرضیوں کے حصول کے لیے جو تگ و دو وہ کرتے ہیں اس کا حصول عدل کے طور پر معاشرتی سطح پر جواز (Legitimize) پیش کیا جاتا ہے۔ اس کو قبول کیا جائے کہ بنیادی طور پر سنگل ایشو تحاریک، جیسے پانی لانے کی تحریک یا تعلیم عام کرنے کی تحریک یا عورتوں کو آزاد کرنے کی تحریک، یہ وہ تحاریک ہیں جن کے نتیجے میں فی الواقع لوگ آزاد ہو جاتے ہیں۔ ان کو اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو بنیادی معاشرتی گراوٹ اور بنیادی معاشرتی اخلاقی رذائل کا پھیلاؤ ہے اس سے صرفِ نظر کر کے، عوام کو اس سے مانوس کر کے، ان کو اس بات کی طرف ترغیب دی جاتی ہے۔۔۔ ان کو اس بات کی طرف دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ان سنگل ایشوز کو حل کرنے کے لیے اپنی تمام تر روحانی اور جذباتی وابستگیاں اس عمل کے ساتھ لگائیں اور سمجھیں کہ سرمایہ دارانہ معاشرہ عدل قائم کرتا ہے۔ انہی معنوں میں کہ وہ ان کو ان کے جو کچھ بھی جائز مسائل ہیں ان کے حل کے لیے منظم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ اس طرح فرد کی توجہ اہم مسائل اور سوالات سے ہٹ کر صرف ایک چھوٹے سے مسئلے پر مرکوز ہو جاتی ہے اور یہی مسئلہ فرد کی اور کسی تحریک کی زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

مغربی اور مذہبی معاشرت کا فرق

سرمایہ دارانہ معاشرتی صف بندی کو چیلنج کرنے کی خاطر ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم سرمایہ دارانہ معاشرت کی روح کو اور سرمایہ دارانہ معاشرت کی کلیت کو متنازع فیہ بنائیں۔ سرمایہ دارانہ عقلیت کو بحیثیت ایک عقلیت کے متنازع فیہ بنائیں اور ہماری تحاریک **'سنگل۔ایشو تحاریک'** نہ ہوں اور سنگل ایشو موومنٹس کا جواز نہ پیش کریں۔ بلکہ سنگل ایشو موومنٹس کو معاشرتی صف بندی کے عمل میں کلیدی کردار ادا کرنے سے روکیں اور ان کو یہ بات باور کرائیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کو بحیثیت ایک نظام کے روکیے بغیر وہ ظلم اور وہ اخلاقی رذائل جو اس نظام کو قائم کرنے کے نتیجے میں معاشرے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہیں ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا تحاریکِ اسلامی اور غلبۂ دین کی تحریکیں معاشرتی صف بندی کی جو حکمتِ عملی اختیار کرتی ہیں اس حکمتِ عملی کی دو خصوصیات ہیں: **پہلی** یہ کہ وہ اس معاشرتی صف بندی کا احیاء کرنا چاہتی ہیں کہ جس کے نتیجے میں معاشرے میں محلے کی سطح پر، بازار کی سطح پر، شہر کی سطح پر، صوبے کی سطح پر، ملک کی سطح پر اور غرضیکہ ہر سطح پر قیادت کی ذمہ داری علماء کرام اور صوفیائے عظام سنبھالیں۔ یہ انہی کی ذمہ داری ہے۔۔۔ قیادت کا منصب ان کا ہے۔۔۔ اور معاشرتی صف بندی کی تشکیل ان کی ذمہ داری ہے۔ دوسری یہ کہ ہماری تحاریک Single Issue Movements نہیں ہوتی۔ ہم سوشل ورک نہیں کرتے، ہماری تحاریک بنیادی طور پر اس عقلیت کو اکھاڑ پھینکنے کی تحریکیں ہیں جو دنیوی زندگی میں لذت کے حصول کو زندگی کا مقصد قرار دیتی ہے اور جس کے نتیجے میں وہ اخلاقِ رذیلہ پھیلتے ہیں جو یورپ اور امریکہ میں اور جہاں بھی مغربی تہذیب نے غلبہ حاصل کیا وہی اخلاق رذیلہ پھیلے۔ انہی معنوں میں ہم اپنی معاشرت کو مغربی معاشرت کا ایک متبادل سمجھتے ہیں۔ مغربی معاشرت کے اندر ہماری معاشرت نہیں پنپ سکتی۔ مغربی معاشرت کے اندر اسلام کے لیے کوئی جگہ نہیں اور یہ بات عیسائیت کے الیے سے ہم پہ واضح ہے۔ عیسائیت کے بارے میں، بالخصوص علماء کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس وقت غیر اسلامی تحریکوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں علماء کی جو کچھ توجہ ہے وہ توجہ عیسائیت اور یہودیت پر مرکوز ہو کے رہ گئی ہے۔ زیادہ تر علماء اور صوفیا جب غیر اسلامی تحاریک پر غور فرماتے ہیں تو ان کا مطمح نظر عیسائیت یا یہودیت ہوتا ہے۔

امت مسلمہ کا عیسائیت سے کوئی مقابلہ نہیں

عیسائیت کے بارے میں یہ بات تقریباً مکمل یقین سے عرض کر سکتے ہیں کہ عیسائیت تو فنا ہو چکی ہے۔ عیسائیت سے ہمارا اس وقت کوئی مقابلہ نہیں۔۔۔ ہمارا مقابلہ مغرب سے ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ عیسائی فکر نے اور عیسائی روحانیت نے مغربی تہذیب کی نشوونما میں ایک خاص کردار ادا کیا ہے لیکن اس وقت جو مدِمقابل ہے وہ تہذیب مغرب ہے۔ تحریکِ تنویر (Enlightenment) اور تحریکِ رومانویت (Romanticism) سے ہمارا اصل مقابلہ ہے۔۔۔ عیسائیت سے ہمارا مقابلہ نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے علماء اور اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ عیسائیت کے مباحث سے صرفِ نظر فرمائیں اور معاشرتی، علمی اور ریاستی سطح پر جو خطرات بلاواسطہ تحریکِ تنویر اور تحریکِ رومانویت نے پیش کیے ہیں ان کا محاکمہ فرمائیں اور ان کے اسلامی رد کے لیے وہ علمیاتی حکمت عملی تیار کریں جس کے نتیجے میں مغربی فکر، تہذیب اور فلسفے کا وقیع تنقیدی محاکمہ پیش کیا جا سکے۔

سرمایہ دارانہ ریاست

سرمایہ دارانہ ریاست یا لبرل ریاست کے قیام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ ایک ایسی شخصیت پیدا کرے جو اپنے آپ کو آزادی کے سپرد کر دے۔ سرمایہ دارانہ ریاست کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ ایک ایسی شخصیت کی تعمیر اور اسکی مستقل تخلیق کو ممکن بنائے جس کے اندر یہ خصوصیت ہو کہ وہ اپنی انفرادی زندگی میں بھی اس نظم وضبط کو قبول کرے جس کو قبول کیے بغیر آزادی، آزادی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ، اور آزادی کو زیادہ سے زیادہ ممکن بنانے کا عمل ممکن ہے۔ یعنی ایک ایسی شخصیت کا وجود اور ایک ایسی شخصیت کی Reproduction، ایک ایسی شخصیت کی مستقل تخلیق جو اس بات کو قبول کرے کہ زندگی میں میرے وجود کی ضامن یہی بات ہے کہ میں کتنا زیادہ اس بات کے قابل ہو سکتا ہوں کہ میں جو چاہوں وہ کروں۔ اس قسم کی شخصیت خود بخود پیدا نہیں ہوتی جو اپنے اوپر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آزادی کو خیر مطلق کے طور پر مسلط کرے۔ اس شخصیت کو قبول کرنے کے لیے ایک قانون کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ ایک جبر کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ اور وہ قانون اور وہ جبر جمہوری ریاست فراہم کرتی ہے۔

جبر کے بغیر انسان آزادی کا طلب گار نہیں ہوتا

جمہوری ریاست کے وجود کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ انسان جبر کے بغیر خود بخود فطرتاً آزادی کی بڑھوتری کو مقصدِ زندگی کے طور پر قبول نہیں کرتا چنانچہ ہر دستور میں بالخصوص امریکی دستور میں جس چیز کو مقدس گائے کے طور پر رکھا گیا ہے اور جس کو جمہوری عمل سے ماورائی حیثیت دی گئی ہے وہ ہیں حقوقِ انسانی (Human Rights)۔ حقوقِ انسانی کیا ہیں؟ حقوقِ انسانی دراصل وہ ذرائع ہیں جن کے بغیر سرمائے کی بڑھوتری کے فرض کو فرداً ادا ہی نہیں کر سکتا۔

اگر حقوقِ انسانی کو جمہوری عمل کے ماتحت کر دیں تو اس کا امکان بھی موجود ہے کہ حقوقِ انسانی کو رد کر دیا جائے۔ امریکی دستور جس وقت بننے لگا تو بالخصوص وہ مفکرین جنہوں نے فیڈرلسٹ پیپرز لکھے تھے، ہیملٹن اور میڈیسن وغیرہ نے کہا کہ بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ ایک اقلیت کے اوپر ایک اکثریت ایسے قانون مسلط نہ کر دے جو ملک میں حقوقِ انسانی کے فروغ کو ممکن نہ بنائیں۔ چنانچہ امریکی دستور کے اندر اور اس کے بعد جتنے دساتیر لکھے گئے ہیں سب کے اندر جو بنیادی اعتقاد ہے وہ 'حقوقِ انسانی' ہی ہے۔ گویا حقوقِ انسانی ایک ایسا عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اکثریت کو بھی اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ حقوقِ انسانی کو رد کرے۔ ان حقوق کو ماننا، تسلیم کرنا اور اس کے لیے سہولتیں مہیا کرنا ہر ایک کا فرض ہے اور جو اس فرض کی راہ میں حائل ہو اسے کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

حقوقِ انسانی۔۔۔ پختہ مذہبی عقیدہ

حقوقِ انسانی کے منشور کو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت پختہ مذہبی عقیدے کی حیثیت حاصل ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ حقوقِ انسانی دستور کا دیباچہ ہیں جس کے نتیجے میں فرد کو اس بات کا مکلّف بنایا جاتا ہے کہ وہ چند چیزوں کے معاملے میں خود مختار ہے، مثلاً یہ کہ وہ اپنی زندگی کیسے گزارے گا کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رائے رکھے گا؟ وہ رائے کا اظہار کس طریقے سے کرے گا اور سب سے اہم یہ کہ وہ سرمایہ دارانہ ملکیت کا تابع بنا دیا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ملکیت (Capitalist Property) اور اس کے جتنے بھی مضمرات ہیں حقوق انسانی کی تفصیل کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں لہٰذا شخصیت کو اس طریقے سے تعمیر کرنا کہ وہ آزادی کو زندگی کا مقصدِ اولیٰ تصور کرے اور آزادی کو حاصل کرنے کے لیے اس جبر کو قبول کرے جو حقوق انسانی کو ادارتی شکل (Institutionalize) دینے کے لیے کسی معاشرے میں ضروری ہوتے ہیں۔ یہ سرمایہ دارانہ جمہوری ریاست کا فرضِ اولین ہے اور اس فرضِ اولین کو ادا کرنے کے لیے فلسفۂ 'حقوق انسانی' کو سرمایہ دارانہ اور لبرل دستور کے دل کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ چنانچہ ہر جمہوری نظام کے اندر ریاست کا اولین فریضہ یہ کہ وہ بنیادی حقوق کو دیگر تمام حقوق سے بالاتر تصور کرے۔ اس لیے آج آپ جانتے ہیں استعمار اس بات کا داعی ہے کہ ہر اس ملک میں جہاں اس کے مرتب کردہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، ہر اس ملک میں جہاں اس کے مروج کردہ بنیادی حقوق کی نفی ہو رہی ہے وہاں وہ عسکری مداخلت کرے اور اقوام متحدہ کی امن فورسز اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اب تقریباً اپنا یہ کردار امریکہ سے اور دیگر قوتوں سے منوا لیا ہے کہ فی الواقع بنیادی حقوق جو ہیں وہ عالمگیر قانون (Universal Law) ہیں۔ اور یہ بنیادی حقوق کیا ہیں؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ سرمایے کی بڑھوتری کی فرضیت کو ادا کرنے کے لیے جن وسائل کی ضرورت انفرادی طور پر ہوتی ہے وہ بنیادی حقوق ہیں ان کو عالمی قانون کے طور پر نافذ کرنا اور عالمی قانون کی حیثیت سے تسلیم کرانا جمہوری ریاست کا اولین فرض ہے۔

حقوق انسانی سے بالاتر کوئی شے نہیں

اگر جمہوری عمل کے نتیجے میں اس چیز کا خطرہ پیدا ہو کہ بنیادی حقوق سے بالاتر کسی قانون کو بحیثیت ایک نافذ قانون کے مان لیا جائے تو جمہوری عمل کو معطل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے سامنے سب سے اہم مثال الجیریا کی ہے۔ الجیریا میں فی الواقع ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں انتخابات کے ذریعے اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ایک ایسی حکومت قائم ہو گی جو شریعت کو بنیادی حقوق اور دیگر قوانین سے بالاتر حیثیت دے گی۔ لہٰذا فرانس اور امریکہ کی مدد سے ان انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ تو یہ کوئی حادثاتی بات نہیں خود مغربی مفکرین کے ہاں بالخصوص اس وقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مغرب کا سب سے بڑا سیاسی مفکر جان رالس ہے۔ جان رالس کی کئی کتابیں ہیں، اس کی ایک مشہور کتاب 1995ء میں چھپی جس کا نام ہے سیاسی لبرل ازم (Political Liberalism)۔ وہ اس کتاب میں کہتا ہے کہ اگر حقوق انسانی کو معطل کرنے کی تحریکیں اٹھیں تو آپ ان کو ایسے ہی تصور کریں جیسے وبا ہوتی ہے۔۔۔ طاعون یا جیسے کوئی اور وبا۔ اور بالکل جس طریقے سے وبا کو ختم کرنے کے لیے ہر عمل جائز ہے اسی طریقے سے ان تحریکوں کو بھی ختم کرنا جائز ہے۔ (دیکھیں Political Liberalism، صفحہ ۶۴۔ شائع کردہ بلیک ول پبلشرز، آکسفورڈ) تو الجیریا میں جو کچھ ہوا وہ کوئی حادثاتی نہیں تھا۔ سرمایہ دارانہ عقلیت اسی عمل کی متقاضی ہے۔ افغانستان کو بھی اسی لیے تباہ کیا گیا کہ اس نے دستوری اور جمہوری ریاست کا ڈھانچہ قبول نہیں کیا اور ایک متوازی ریاست بننے کی کوشش کی۔

جمہوریت آزادی کے حصول کا ذریعہ ہے

اس لیے کہ جمہوریت یا انتخابات تو ایک ذریعہ ہیں آزادی کی بڑھوتری کے لیے، یہی تو انتخابات اور جمہوریت کا مقصد ہے۔ اور اگر اس کے ذریعے وہ نتیجہ نہ نکلے تو ظاہر ہے کہ بنیادی حقوق کے نفاذ کا عمل معطل ہو جائے گا جو مقصود اور مقدم ہے اور جو طریقہ ہے اس مقصود کو حاصل کرنے کا وہ حادثاتی ہے۔۔۔ طریقہ دوسرا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی توجیہہ متعدد حضرات نے امریکہ اور فرانس میں بیان کی کہ یہ کوئی حادثاتی بات نہیں۔ تو اگر انتخابی عمل کے ذریعہ کبھی یہ امکان پیدا ہوا کہ بنیادی حقوق کو منسوخ کیا جائے یا بنیادی حقوق کے اوپر اور بالاتر کوئی قانون نافذ ہونے کا احتمال ہوا تو ان انتخابات اور اس جمہوری عمل کو فی الفور کالعدم کر دیا جائے۔ یہ سرمایہ داری کے عالمی غلبے کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ انتخابات کے ذریعے بنیادی حقوق سے بالاتر کوئی دوسرا قانون نافذ کیا جائے اور استعمار اسے قبول کرے، استعمار اس پہ مجبور ہے کہ اسے ختم کرے۔ منطقی طور پر استعمار کے پاس اسے ختم کرنے کے سوا کوئی دوسرا حل نہیں ہے۔ جو لوگ اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں یا تو وہ استعمار اور سرمایہ داری کی حقیقت سے واقف نہیں یا پھر فی الواقع مغربی تہذیب کے اندر اسلام کو ضم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے مسلم مفکرین کی یہ تمام تعبیرات کہ اسلام میں بھی انسانی حقوق کا تصور موجود ہے اور اسلام میں بھی سرمایہ داری کا ایک تصور موجود ہے۔ اسلامی معیشت یہی کہتی ہے وغیرہ یہ تمام تصورات یا تو کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلط فہمی کا نتیجہ ہیں یا سرمایہ داری کی اصلیت کے بارے میں ناواقفیت کا ثمر۔ یا پھر فی الواقع اسلام کو مغربی تہذیب کا ایک حصہ تصور کرنے کا نتیجہ ہیں۔ یہ وہی دلیل ہے جو ہمارے معذرت خواہ (Apologists) انیسویں صدی کے آخر میں اور بیسویں صدی کے شروع میں امیر علی، چراغ علی اور سرسید احمد خان دیا کرتے تھے کہ اصل میں تو مغربی تہذیب اسلام سے ہی نکلی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس بات کو اچھے طریقے سے سمجھ لینا چاہیے کہ سرمایہ دارانہ ریاست اور جمہوری ریاست ایک ہی چیز ہے دو نہیں ہیں۔ جمہوری ریاست کا مقصد سرمائے کی بالادستی کو قائم کرنے کے سوا کچھ نہیں، باقی تو طریقہ کار ہے۔ انتخابات ایک طریقہ کار ہے، جمہوریت یا جمہوری پارلیمنٹ عدلیہ اور انتظامیہ یہ طریقہ کار ہیں۔ مقصد صرف آزادی یا سرمائے کی بڑھوتری ہے۔ اور آزادی اور سرمائے کی بڑھوتری میں اگر جمہوری عمل، انتخابات کا عمل، پارلیمنٹ کا عمل، عدلیہ کا عمل مانع ہو تو ظاہر ہے کہ وہ معطل کر دیا جائے گا۔ اور اصل مقصود یعنی سرمایہ داری بذریعہ بنیادی حقوق کے حصول کے لیے عالمی سرمائے کی بالادستی مسلط کر دی جائے گی تاکہ نظام کو بحیثیت نظام کے خطرہ نہ ہو۔

سرمایے کی عمومی حفاظت ریاست کے ذریعے

ایک اور بات عرض کر دوں کہ ریاست کا ایک اور فریضہ جس پر زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں یہ ہے کہ وہ سرمائے کے عمومی مفاد کی محافظ ہے، سرمائے کی بڑھوتری کے عمل میں ایک تضاد ہے۔ وہ تضاد یہ ہے کہ سرمائے کی بڑھوتری کا عمل مسابقت سے ہوتا ہے۔ فورڈز کمپنی، کرائسلر کمپنی کے خلاف جدوجہد کرتی ہے اور اگر فورڈز کمپنی کا منافع بڑھے تو کرائسلر کمپنی کا منافع کم ہوتا ہے، سرمایہ مسابقت کے ذریعے بڑھتا ہے چاہے یہ مسابقت مارکیٹ میں ہو، چاہے وہ پیداوار کی مارکیٹ ہو، چاہے وہ فنانشل مارکیٹ ہو، مسابقت متعین سرمایہ میں ہوتی ہے۔ متعین سرمایہ کیا ہے؟ متعین سرمایہ کمپنیاں ہیں، کارپوریشنیں ہیں۔ کارپوریشن چاہے فنانشل شکل میں ہو، چاہے پیداواری (Manufacturing) شکل میں ہو، چاہے خدمت (Service) کی شکل میں ہو۔ متعین سرمایہ کی شکل کارپوریٹ شخصیت (Corporate Individuality) ہے۔ مسابقت متعین سرمایہ کو بڑھانے کی مسابقت ہوتی ہے۔ سرمایہ بحیثیت مجموعی کیسے فروغ پا سکتا ہے۔ کسی کی براہ راست توجہ اس طرف نہیں ہوتی جو لوگ سرمائے کو عملاً بڑھا رہے ہیں، جو لوگ مارکیٹ میں موجود ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سرمایے کے فروغ کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی دلچسپی اپنے خاص سرمایے کی بڑھوتری سے ہوتی ہے۔ عمومی سرمائے کی بڑھوتری سے ان کی دل چسپی نہیں ہوتی چنانچہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ان کی مسابقت کے نتیجے میں ان کا ذاتی سرمایہ تو بڑھے لیکن جو حکمتِ عملی وہ اپنا رہے ہیں اس کے نتیجے میں سرمایہ عمومی طور پر نہ بڑھے۔ سرمایہ اس طرف چلا جائے جس طرف اس کے بڑھنے کے عمومی امکانات کم ہیں تو ریاست کا ایک بہت بڑا کام، سرمایہ دارانہ ریاست اور جمہوری ریاست کا ایک بہت بڑا وظیفہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی مجموعی حکمت عملی مرتب کرے (جسے Macro Economic Policy کہتے ہیں اور اس کے تین شعبے ہیں) تاکہ سرمایہ میں بحیثیت مجموعی اضافہ ہوتا رہے اور کسی خاص گروہ کے لیے سرمایہ مخصوص نہ ہو جائے۔ میکرو اکنامکس پالیسی کے تین شعبے یہ ہیں:

۱۔ زری پالیسی (Monetary Policy)

۲۔ تجارتی پالیسی (Commerce Policy)

۳۔ مالیاتی پالیسی (Fiscal Policy)

ان تینوں پالیسیوں کے نفاذ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سرمایے کی بڑھوتری بحیثیت مجموعی مستحکم کی جائے اور متعین سرمایہ کے درمیان مسابقت کو اس طریقے سے مرتب کیا جائے کہ اس کے نتیجے میں سرمایہ بحیثیت مجموعی بڑھتا رہے۔ زری پالیسی، مالیاتی پالیسی اور تجارتی پالیسی، یہ تینوں چیزیں ہر سرمایہ دارانہ ریاست کے وظائف میں شامل ہیں۔ اور ان تینوں پالیسیوں کو اختیار کر کے سرمایہ دارانہ ریاست یا جمہوری ریاست اپنا یہ فرض ادا کرتی ہے کہ متعین کارپوریشنوں (Specific Corporations) کے درمیان مسابقت کو اس طریقے سے مرتب کرے کہ مجموعی سرمایے کے اضافے اور بڑھوتری کی رفتار میں کمی نہ آئے۔ مجموعی بڑھوتری کے امکانات روشن رہیں۔

قومی سرمایہ اور عالمی سرمایہ

اب یہاں سے ہمیں قومی سرمایے اور عالمی (Global) سرمایے کے درمیان فرق واضح ہونے کا امکان نظر آتا ہے۔ عموماً سرمایہ دارانہ ریاستی صف بندی یا سرمایہ دارانہ سیاسی صف بندی قومی ریاست کی سطح پر ہوتی ہے۔ کس ریاست کی میکرو اکنامک پالیسی ہوتی ہے؟ ہر قومی ریاست کی مالیاتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پالیسی ہوتی ہے، زری پالیسی ہوتی ہے، تجارتی پالیسی ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں سرمائے کی عمومی بڑھوتری کا تحفظ کیا جا سکتا ہے اور اس طرح عمومی سرمائے کی بڑھوتری کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ یہ کام قومی ریاستوں کا ہے۔ مثلاً پاکستانی ریاست کی ایک مالی پالیسی ہے۔ پاکستانی ریاست کی ایک زری پالیسی ہے۔ سٹیٹ بنک زری پالیسی بناتا ہے، پاکستانی ریاست کی تجارتی پالیسی ہے وغیرہ۔ لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ سرمایہ تو اب قومی رہا نہیں۔ سرمائے کی بڑھوتری جس سطح پہ ہوتی ہے وہ قومی سطح نہیں وہ تو بریٹن وڈ (Brettenwood) کا نظام تھا جس کا میں نے پہلے تذکرہ کیا تھا۔ 1933ء سے 1980ء تک یہ صف بندی قائم رہی۔ فورڈازم سرمایے کی عمومیت سے مراد قومی سرمایہ ہوتا ہے۔ مثلاً انگریز کا سرمایہ، امریکی کا سرمایہ، جاپان کا سرمایہ، جرمنی کا سرمایہ وغیرہ۔ بریٹن وڈ نظام میں جب ہم سرمایہ کی عمومی سطح پر گفتگو کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد 'قومی سطح' ہوتی ہے۔ عمومی سرمایہ سے مراد تھی قومی سرمایہ یعنی ریاست کا مقصد قومی سرمایہ کا تحفظ تھا۔ مالیاتی پالیسی کا احاطہ فورڈازم میں قومی سطح پر ہوتا تھا۔ اب کیا ہوا ہے؟ اب یہ ہوا کہ سرمایہ تو ہو گیا بین الاقوامی، سرمایہ تو ہو گیا عالمی۔ اصل میں 'بین الاقوامی' اصطلاح غلط ہے۔ بین الاقوامی نہیں گلوبل (عالمی)۔ گلوبل، یونیورسل یعنی عالمگیری نہیں ہے۔ سو اب سرمایہ تو عالمی یعنی گلوبل ہو گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر سرمایے کی عمومی بڑھوتری کے تحفظ کا انتظام کیا جائے تو اس کو بھی عالمی سطح پر ہونا چاہیے۔۔۔ کیوں؟ اس لیے کہ اب سرمایہ کا مجموعی مفاد اس میں ہے کہ منافع عالمی سطح پر ممکن ہو سکے۔ سرمائے کی ترسیل پہ تمام حد بندیاں ہٹ گئی ہیں اور ختم ہو گئیں ہیں اور جب سرمایہ دار یہ کہتا ہے کہ مجھے منافع کو بڑھانا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے منافع کو اس چیز سے ماورا ہو کر بڑھانا ہے کہ یہ منافع پاکستان میں بڑھے گا یا انگلستان میں، فن لینڈ میں یا روس میں۔۔۔ میں تو بحیثیت مجموعی اپنے سرمائے سے زیادہ سے زیادہ منافع کمانا چاہتا ہوں، میں تو وہاں پیسہ لگاؤں گا جہاں سے زیادہ سے زیادہ منافع ہو۔ چنانچہ قومی سطح سے اوپر اٹھ کر وہ عالمی سطح پہ پہنچ گیا ہے۔ اب جمہوری ریاست کا فریضہ یہ ہے کہ اس گلوبل سطح پر عمومی سرمائے کی بڑھوتری کا تحفظ کرے اور اس کو ممکن بنائے۔ قومی سطح پر یہ کام کرنا اب ممکن نہیں رہا وہ اس لیے کہ سرمایہ اب عالمی ہو گیا ہے۔۔۔ قومی نہیں رہا! اب جمہوریت کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ گلوبل سطح پر یہ ریاست قائم نہیں کی جا سکتی، گلوبل سطح پر جمہوری ریاست قائم نہیں ہو سکتی، وہ کیوں نہیں قائم کی جا سکتی اور امریکہ اس موجودہ نظام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ایک خاص کردار کیسے ادا کر رہا ہے اس پر میں اگلے باب میں تفصیل سے عرض کروں گا۔

عالمی مالیاتی نظام سرمایہ کا عالمی غلبہ

یہاں صرف اتنی بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آج بین الاقوامی مالیاتی نظام کا حصہ بننا عالمی سطح پر سرمایے کی بڑھوتری کے تقاضوں کو پورا کرنے کا دوسرا نام ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم بین الاقوامی سطح پر موجود مالیاتی نظام کا ایک حصہ بننا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس پر تیار ہیں کہ ہم بنیادی طور پر وہ نظم وضبط قبول کریں گے جس نظم کو قبول کرنے کے نتیجے میں سرمایے کو عالمی سطح پر بڑھوتری کے عمل میں مدد دی جا سکے۔ لہٰذا قومی ریاستیں باستثنائے امریکہ۔۔۔ سرمائے کی بین الاقوامی تنظیم کے ماتحت ہوگئی ہیں یہ تنظیم گلوبل نہیں ہے، یہ بین الاقوامی ہی ہے۔ یہ جو سرمائے کی پبلک سیکٹر کی تنظیم ہے اور جو سرمائے کی ریاستی تنظیم ہے یہ نامکمل تنظیم ہے۔ یہ بین الاقوامی ہی ہے، گلوبل نہیں ہے۔ سرمایہ خود گلوبل ہے لیکن اس کی ریاستی تنظیم بین الاقوامی ہے۔ قومی ریاستیں اس بین الاقوامی تنظیم کے ماتحت کی جا رہی ہے اور جمہوری عمل کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے قومی ریاستوں کا بین الاقوامی ہیئتوں (Structures) کے ماتحت ہو جانا اور اس کی بالادستی کو قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر بین الاقوامی ریاستی ڈھانچے سے قومی ریاستیں لاتعلقی کا اظہار کر دیں تو وہ جمہوری ریاستیں نہیں رہ سکتیں۔ کن معنوں میں؟ ان معنوں میں کہ سرمائے کی عالمی بڑھوتری کو ممکن بنانے میں ان کا حصہ نہیں ہو سکتا اور اگر بین الاقوامی سطح پر نہیں ہو سکتا تو سرمایہ دارانہ نظام سے وہ کٹ گئیں، جمہوری نظام سے وہ کٹ گئیں۔۔۔ لہٰذا آج قومی سرمایہ کوئی چیز نہیں۔ قومی سرمایہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں۔ حکومتیں یقیناً قومی ہیں۔۔۔ قومی ریاست یقیناً موجود ہے۔۔۔ قومی سرمایہ کوئی چیز نہیں ہے اور قومی سرمایہ گلوبل سرمائے میں ضم ہو گیا ہے۔ قومی ریاست بین الاقوامی ریاست کے نظام کی ماتحت ہوگئی ہے۔ اسی چیز کو ہم سرمایہ کا عالمی غلبہ اور تسلط کہتے ہیں۔ سرمایہ کے عالمی غلبہ اور تسلط سے مراد یہی ہے کہ قومی ریاست گلوبل سطح پر سرمائے کی بڑھوتری کے عمل کو اپنے اوپر حاکم تسلیم کر لے۔

پاکستان کی دو بڑی جمہوری جماعتیں ہیں ان کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں لیکن ان کے پروگرام کا اگر آپ جائزہ لیں تو دو چیزوں کی مماثلت پائیں گے، اسی وجہ سے وہ دونوں اپنا وجود برقرار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھ پاتی ہیں اور حکومت بھی کر سکتی ہیں۔ وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ اول یہ کہ وہ دونوں اس چیز کی متقاضی ہیں کہ استعمار ان کی پشت پناہی کرے۔ استعمار سے وہ امداد کی طالب ہیں اور کن بنیادوں پر؟ انہی بنیادوں پر کہ وہ اس پروگرام کو، جو استعمار کی بین الاقوامی تنظیمیں پاکستان پر مسلط کرنا چاہتی ہیں، کو قبول کرتی ہیں۔ وہ دونوں جماعتیں IMF کے سٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرام (Structural Adjustment Program) یا ورلڈ بینک کے جو معاہدے یا ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے تحت پاکستان کی جو یقین دہانیاں (Commitment) ہیں ان کو پورے کے پورے طور پر قبول کرتی ہیں اور معاشی حکمتِ عملی میں دونوں جماعتوں نے انٹرنیشنل آرگنائزیشنز (ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن، IMF اور ورلڈ بینک وغیرہ) کے پروگرام کو پورے کے پورے طور پر قبول کر لیا۔ استعماری معاشی پروگراموں کی قبولیت کے بارے میں ان میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ دوسری بات جو ان دونوں جماعتوں میں مشترک ہے اور اس میں کوئی متنازعہ فیہ بات نہیں ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں جمہوری جماعتیں ہیں ان معنوں میں کہ وہ دونوں آزادی اور سرمایہ کی بڑھوتری چاہتی ہیں۔ دونوں کی تاریخ جمہوریت سے رقم ہے اور یہ دونوں جمہوری جماعتیں استعمار کی حلیف ہیں۔۔۔ اس میں تعجب کی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے جمہوریت کا مقصد ہی بحیثیت مجموعی سرمائے کی بڑھوتری ہے۔ جمہوری جماعتیں آزادی کی خواہش مند ہیں وہ یہ نہیں کریں گی تو اور کیا کریں گی؟ اس لیے اس میں تعجب و استعجاب کی کوئی گنجائش نہیں کہ جمہوری جماعتیں استعمار کی حلیف ہیں۔ استعمار کیا چاہتا ہے؟۔۔۔ ظاہر ہے، آزادی کی بڑھوتری! بالکل وہ یہی چاہتا ہے، یہی اس کا مقصد ہے اور یہی جمہوریت کا دوسرا نام ہے۔ تو اگر جمہوری جماعتیں IMF اور ورلڈ بینک کے پروگراموں کو قبول کریں تو یہ کوئی اکراہ کی بات نہیں ہے۔ کوئی اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس پر مجبور ہیں۔ میں آپ سے عرض کروں کہ پاکستان کو استعماری معاشی پروگرام کو قبول کرنے کی کوئی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ پاکستان کی معیشت ایک مضبوط معیشت ہے۔

پاکستانی معیشت مستحکم معیشت ہے

پاکستانی معیشت ایک نہایت طاقتور اور مستحکم معیشت ہے۔ پاکستانی معیشت کو کسی بحران کا سامنا نہیں ہے۔ یہ بات محض کہنے کی نہیں، اگر آپ 2000-1999 کے اعداد و شمار دیکھیں تو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں یہ بات بالکل ثابت ہو جاتی ہے۔1999-2000 کی کیا خصوصیت ہے؟ اس سال کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سال ہمیں بین الاقوامی سطح سے تقریباً کوئی امداد نہیں ملی ایک بلین کے کچھ قرضے بالکل معمولی(Trivial) تھے ،تقریباً کوئی امداد نہیں ملی ۔ جب ہم نے جوہری دھماکہ کیا تو 1998ء کے بعد سے ہماری بین الاقوامی امداد بند ہوگئی۔لیکن یہ کہ پائپ لائن میں کچھ پیسے موجود تھے۔ایسے پیسے جو پہلے سے منظور(Sanction) ہو گئے تھے لیکن اس کی تقسیم نہیں ہوئی تھی وہ ملتے رہے۔1998-1999ء میں ہمیں امداد ملتی رہی۔1999-2000ء میں فی الواقع پورے طور پر وہ تحدیدات جو جوہری دھماکے کے نتیجے میں ہمارے اوپر لگائی گئی تھیں نافذ ہوگئیں اور بالخصوص IMF، ورلڈ بینک، ایشین ڈویلپمنٹ بینک اور اسلامک بینک سے تو ہمیں ایک دھیلا بھی نہیں ملا۔ یہ بات بھی اچھے طریقے سے سمجھ لینا چاہیے کہ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک بھی ورلڈ بینک اور IMF کا ویسا ہی حلیف ہے جیسے ایشین ڈویلپمنٹ یا فریقین ڈویلپمنٹ بینک وغیرہ ہیں، اسلامک ڈویلپمنٹ بینک کی حیثیت میں اور بین الاقوامی نظام میں کوئی فرق نہیں ہے ۔1999-2000 میں ہمیں IMF، ورلڈ بینک، ADB اور اسلامک ڈویلپمنٹ بینک کہیں سے کچھ نہیں ملا، نہ صرف یہ کہ کہیں سے کچھ نہیں ملا بلکہ ہم نے تقریباً 6 بلین ڈالر اپنے وسائل سے پرانے سود اور واجبات کے طور پر ان کو ادا بھی کیے۔ فی الواقع 1999-2000 میں ہم نے IMF اور ورلڈ بینک کو امداد دی ہے جبکہ انہوں نے ہمیں 1999-2000 میں کوئی امداد نہیں دی۔اس سال ہمارے ہاں IMF کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ کوئی ہمارے اوپر IMF کی نگرانی(Supervision) نہیں تھی۔اس سال ہماری شرح نمو، جسے ہم اپنی مجموعی پیداوار کہتے ہیں (Growth Domestic Product) 4.9% تھی، ہماری شرح Inflation صرف 3.6% تھی۔ یہ اعداد و شمار یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ پاکستان عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی امداد کے بغیر بھی اپنی معیشت کے استحکام کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

پاکستان کے قدرتی وسائل روس سے زیادہ ہیں

پاکستانی معیشت فی الواقع ایک خود کفیل معیشت ہے، 1999-2000 میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ فی الواقع اگر ہم بین الاقوامی نظام سے اپنا ناتا توڑنا چاہیں تو بالکل ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، کوئی ٹیکنالوجیکل، کوئی فنانشل تحدید(Constraint) نہیں ہے۔آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانتے ہیں ایک تنظیم یونیسکو (United Nations Educational Scientific and Cultural Organization) ہے۔ سال 1999ء میں اس نے قدرتی وسائل (Natural Resources) کا ایک سروے کیا جس سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ قدرتی وسائل کے لحاظ سے ممالک کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ پاکستان کے قدرتی وسائل کی استطاعت (Capacity) روس سے زیادہ ہے۔ نہایت طاقتور اور مستحکم معیشت ہے اور امداد و قرضوں کی صورت سال میں جو پیسہ بھی ملک میں آتا ہے وہ ہماری مجموعی سرمایہ کاری کا 10% بھی نہیں ہوتا۔ 90 سے 92 فی صد ہر سال سرمایہ کاری ہم اپنے پیسے سے کرتے ہیں۔ ہماری مجموعی برآمدات و درآمدات ہماری مجموعی قومی پیداوار کا 20 سے 25 فی صد ہیں۔ کسی معنی میں بھی یہ بات نہیں کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان مجبور ہے۔ اس بات پر کوئی مجبوری نہیں کہ وہ بین الاقوامی سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ بنا رہے۔۔۔ ہاں یہ راہ ہم نے خود منتخب کی ہے۔

جمہوری حکومت کا مطلب کیا ہے؟

ہم جمہوری لوگ ہیں، ہماری فوجی حکومتیں بھی جمہوری حکومتیں ہوتی ہیں۔ ان معنوں میں کہ سرمائے کی بڑھوتری یا ترقی اور فلاح کے سوا ان کے سامنے کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا ہے۔ ہم بالکل خالص جمہوریت پر ایمان لا چکے ہیں، چاہے وہ سول حکومت ہو، وہ فوجی حکومت ہو، عملاً جمہوری حکومت ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ جمہوری حکومت کا اصل مطلب جمہور کی حکمرانی نہیں بلکہ سرمایہ داری کی حکمرانی ہے اور اس کا اصل آلہ کار بنیادی حقوق ہیں، لہٰذا وہ حکومتیں جو سرمایہ دارانہ نظام کی راہ میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنتی امریکا کے لیے قابل قبول ہیں۔ خواہ وہ غیر جمہوری حکومتیں ہوں لیکن جمہوری حکومت بھی اگر سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے عقائد و فلسفہ کی راہ میں رکاوٹ ہے تو اُس کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے۔ 1999-2000ء میں ہم نے اہم کامیابی یہ حاصل کی کہ اس سال ہمارا روپیہ بین الاقوامی بازاروں میں بالکل مستحکم رہا۔ ہر سال جب بھی ہم IMF کے ماتحت رہتے ہیں ہمارا روپیہ 10% کے حساب سے اپنی قدر کھو دیتا (De-value) ہے۔ 2000ء میں یہی ہوا ہے، چنانچہ نومبر میں جب ہم نے آئی ایم ایف کے ساتھ نیا معاہدہ (Agreement) کیا ہے Standby کے ساتھ، روپیہ De-value ہونا مؤخر ہو گیا ہے۔ لیکن 1999-2000ء میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روپیہ De-value نہیں ہوا۔ ایک فیصد بھی نہیں ہوا۔ تو فی الواقع اگر ہم خود کفالت کی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں تو بین الاقوامی بازار میں مستحکم ہوتے ہیں، طاقتور ہوتے ہیں۔ کمزور نہیں ہوتے ہیں۔۔۔ البتہ جمہوری نہیں رہتے، یہ بالکل درست بات ہے۔ سرمائے کی عالمی بڑھوتری کی جو خدمت آپ نے اپنی ریاست کے لیے منتخب فرمائی ہے وہ آپ ادا نہیں کر سکتے لہٰذا جمہوریت ہمارے لیے کوئی لازمہ نہیں ہے۔ جمہوریت ہمارے لیے کوئی مجبوری (Pre-Determined Choice) نہیں، کوئی ہمارے اوپر مسلط نہیں کر سکتا اور ہمارے پاس بالکل اختیار موجود ہے کہ ہم کوئی ایسا سیاسی اور معاشرتی نظام اختیار کریں جو خالصتاً اسلامی نظام ہو اور جو بین الاقوامی سرمایہ دارانہ اداروں کی بالادستی کو بھی رد کرے اور عالمی سرمایہ کی ماتحتی کو بھی رد کرے یہ بالکل ممکن ہے۔ لیکن چونکہ سیاسی وجوہ کی بنا پر ہم نے اپنے لیے جو راہ منتخب کی ہے وہ جمہوریت کی بالادستی کی راہ ہے، وہ سرمائے کی عالمی بالادستی کو قبول کرنے کی راہ، اور اس راہ کو قبول کرنے کے لیے اور اس کو ممکن بنانے کے لیے جو حکمت عملی ہم نے اس وقت اپنائی ہے وہ مقامیت (Localization) ہے۔

ہم پوسٹ ڈیموکریٹک دور میں زندہ ہیں

مقامیت (Localization) کے عمل کو اچھے طریقے سے سمجھنا اور اسے بالکلیہ رد کرنا ہماری ضرورت ہے۔ مقامی انتخابات میں حصہ لینا اور مقامی اداروں کا حصہ بننا استعمار کی اسی حکمت عملی کو ممکن بنانا ہے جس حکمت عملی کے تحت وہ پاکستان کو بین الاقوامی سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصہ بنانا چاہتا ہے اور جس کے نتیجے میں سرمائے کے عالمی غلبہ (Hegemony) کو وہ پاکستان کے لیے قابل قبول بنانا چاہتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ایک کمزوری اس وقت یہ ہے کہ وہ جمہوری عمل کو قوی ریاست سے اوپر نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن ایک بہت بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت ہم جس دور میں ہیں وہ امریکی مفکرین کے مطابق پسِ جمہوری دور (Post Democratic) ہے۔ ہم سرمایہ داری کے پسِ جمہوری دور (Post Democratic) میں زندہ ہیں۔ پسِ جمہوری دور سے کیا مراد ہے؟ یہ مراد ہے کہ عوام کی اکثریت جمہوریت، جمہوری عمل اور جمہوری عمل میں شرکت سے لاتعلق ہو گئی ہے۔ امریکہ میں تو بلاشبہ اکثریت کا جمہوریت سے ایمان اٹھ چکا ہے اور امریکی نوجوان تو بالکل ہی جمہوری عمل سے تعلق نہیں رکھتے۔ کتنا بھی وہ عمر کو کم کر دیں۔ مغرب میں تو آزادی کی اصلیت واضح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگئی ہے کہ آزادی دراصل کیا ہے۔ آزادی جو ہے اس سے زیادہ بڑا جبر تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اصلی جبر اگر کوئی ہے تو وہ آزادی ہے۔ یہ بات مغرب میں تو واضح ہوگئی ہے اس وجہ سے ہم پس جمہوری دور (Post Democratic) میں رہ رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی ایسی بڑی اجتماعیت بنانا جمہوریت کی بنیاد پر ممکن نہیں رہا۔ جس قسم کی 1933ء سے لے کر 1980ء کے دوران اجتماعیتیں بنی تھیں جہاں جمہوری عمل کی تصدیق کے لیے ایک نئی شناخت دی گئی تھی کہ تم مزدور ہو وغیرہ وغیرہ وہ تو سب ناکام ہو چکیں۔۔۔ لوگ تو تنہا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ایک بین الاقوامی ریاست قائم کی جائے گی، وہ تو ایک ناکام تجربہ ہے جیسا کہ یورپ میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان تمام ممالک کو ملا کے نئی فیڈریشن بنانے کا منصوبہ بالکل ناکام ہوگیا ہے یہ ان معنوں میں ناکام ہے کہ یورپی انتخابات میں دس فیصد ووٹ بھی نہیں پڑے۔ قومی انتخابات میں تو ان کے ہاں 60 سے 70 فی صد کے درمیان ووٹ پڑ جاتے ہیں لیکن یورپین انتخابات میں سرے سے ووٹ ہی نہیں ڈالے جاتے اور یورپین پارلیمنٹ کے کہنے کے باوجود کوئی اثر نہیں۔ یورپین سینٹرل بینک کا حال نہایت زبوں ہے، قومی بینک اس کے ہر عمل کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی کوئی عوامی حمایت موجود نہیں۔ چنانچہ قومی سطح سے اوپر اٹھ کر کسی بھی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام سیاسی تنظیم قائم کرنے کا اس وقت اہل نہیں ہے۔ یہ اس کی بنیادی کمزوری ہے۔

جمہوری عمل کو جاری رکھنا ایک مسئلہ بن گیا ہے

قومی سطح پر جمہوری عمل کو جاری رکھنا سرمایہ دارانہ ریاستوں کے لیے بہت بڑا مسئلہ ہوگیا ہے۔ لوگوں کی کوئی دلچسپی نہیں اس سے اوپر اٹھنے کا کیا سوال؟ لہٰذا کس طریقے سے سرمایہ دارانہ عمل کی قبولیت کو قائم رکھا جائے؟ یہ اس وقت سرمایہ دارانہ سیاسی مفکرین کے لیے نہایت اہم سوال ہے۔ غریب ممالک کے لیے انہوں نے جو اس کا حل تلاش کیا ہے وہ ہے مقامیت۔ مقامیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ بڑے ممالک کو توڑ کر چھوٹے ممالک بنائے جائیں، مقامیت کا مطلب یہ ہے کہ قومی ریاست اور قومی ریاست کے عمل سے عام آدمی کی دلچسپی ختم کر دی جائے اور مقامی سطح پر عام آدمی کو اپنی اغراض کا بندہ بنا دیا جائے۔ مقامی حکومتیں (Local Governments) بین الاقوامی سرمائے کی ایجنٹ حکومتیں ہوں گی۔ وہ کوئی ان معنوں میں حکومتیں نہیں ہوں گی جیسا کہ صاحبِ اقتدار حکومتیں ہوتی ہیں یا جن معنوں میں اسلام آباد میں ہماری وفاقی (Federal) حکومت صاحبِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقتدار حکومت ہے۔ مقامی حکومتوں کا بنیادی وظیفہ اپنے علاقے میں سرمائے کی بڑھوتری کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور جہاں یہ تجربے کیے گئے ہیں مثلاً انڈونیشیا، جکارتہ میں اور جنوبی ہندوستان میں وہاں جو عملی شکل سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ مقامی حکومتوں نے ایک دوسرے سے اس چیز کے لیے مقابلہ اور مسابقت کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ سرمائے کو اپنے ملک میں کیسے راغب (attract) کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے پوری توجہ اس چیز پر دی ہے کہ اپنے علاقے کو بین الاقوامی یا عالمی سرمائے کے لیے زیادہ سے زیادہ پرکشش بنائیں۔ اس کے لیے انہوں نے جو دو طریقے اختیار کیے ہیں ان میں ایک ہے بین الاقوامی بانڈ جاری کرنا (Floatation of International Bonds)۔ انہوں نے قومی اور بین الاقوامی بازاروں میں اپنے بانڈ جاری کیے اور بیچے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جو بانڈ خریدے گا تو اس لیے خریدے گا کہ اس سے ڈیویڈینڈ (Dividend) یا سود ملے۔ اس کو مستقل آمدنی ہو چنانچہ ان حکومتوں نے اگر وہ پالیسیاں نہیں اختیار کیں کہ جس کے نتیجے میں منافع میں اضافہ ہو رہا ہو۔ اس طریقے سے کہ وہ منافع بانڈ خریدنے والے کو بھی مل رہا ہے تو وہ بانڈ بیچ دے گا۔ ان بانڈز کی کوئی قیمت نہیں ہوگی لہٰذا جس وقت مقامی حکومت کی حکمتِ عملی اس بات پر منحصر ہو جائے کہ اس کے میزانیہ (بجٹ) کا ایک بڑا ذریعہ بانڈز بن جائیں تو وہ مجبور ہے کہ اس نوعیت کی پالیسی اختیار کرے جس کے نتیجے میں عالمی سرمایہ کی مقدار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو سکے۔ منافع کی شرح میں اضافہ ممکن ہو سکے۔

دوسرا طریقہ نج کاری یا پرائیویٹائزیشن ہے۔ نج کاری سے مراد یہ کہ اپنے وسائل کو بین الاقوامی کمپنیوں کے عالمی سرمائے (Global Capital) کے سپرد کر دو۔ مثلاً جکارتہ میں پانی کا پورا نظام ایک امریکی یہودی کمپنی کے سپرد کر دیا گیا۔ یا یہ کہ بنگلور اور مدراس میں ایسی مستقل مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مقامی حکومت قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عوام کو صرف اور صرف اغراض کے گرد، مسائل کی سیاست کے گرد، ایشوز کے گرد مرتکز کیا جائے اور اغراض کے حصول کے اردگرد عوام کو متحد کیا جائے۔ کہا جائے کہ لوکل گورنمنٹ Agencies ہیں یہ ایک اچھی حکمرانی (Good Governance) کا ذریعہ ہیں۔ اچھی حکمرانی سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ اس نوعیت کی حکومت قائم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا کہ جس کے نتیجے میں سرمائے کے اضافے اور سرمائے کی ترسیل میں اس علاقے کا حصہ زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوتا کہ جو مقامی حکومت ہوتی ہے وہ خود مختار ہوتی ہے۔ مزید اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی حکومت کمزور ہو جاتی ہے۔ قومی حکومت کمزور کیوں ہو جاتی ہے؟ قومی حکومت اس لیے کمزور ہو جاتی ہے کہ مقامی حکومتوں کے قیام میں سیاست علیا (Height Politics) ناجائز ہو جاتی ہے۔ سیاست علیا کیا ہے؟ ہائی پالیٹکس وہ پالیٹکس ہے جو ایک ریاست کی شناخت متعین کرتی ہے۔ اب موجودہ دور میں ایک ریاست کی شناخت متعین کرنے کے لیے دو حکمت عملیاں، دو پالیسیاں نہایت اہم ہیں۔ ایک خارجہ پالیسی (Foreign Policy) اور دوسری معاشی پالیسی (Economic Policy)۔ اگر آپ اسے ایک اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں تو اسلامی ریاست بنانے کے لیے آپ کو ایک خاص نوعیت کی معاشی پالیسی اور ایک خاص نوعیت کی خارجہ پالیسی اختیار کرنا پڑے گی۔ جہاں بھی اور جب بھی بیسویں صدی میں اسلامی ریاست قائم ہوئی چاہے وہ سوڈان ہو، ایران ہو یا افغانستان ہو۔۔۔ عوام کی قربانی دینے کی صلاحیت ہی کا امتحان لیا گیا۔ اسلامی ریاست کے قیام کے نتیجے میں لوگوں کا معیار زندگی بلند نہیں ہوا۔ لوگوں کو فاقوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔۔۔ لوگوں کو جانوں کے نذرانے دینا پڑے۔۔۔ لوگوں کو اپنے معاشروں کو اتھل پتھل ہوتا ہوا دیکھنا پڑا۔۔۔ لوگوں کو استعمار کا ظلم اور جبر برداشت کرنا پڑا۔ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے لازم ہے کہ لوگ اپنی اغراض کو پس پشت ڈال دیں۔ ضرورت ہے کہ لوگ قربانی اور ایثار کے لیے تیار ہوں اور وہ غلبۂ دین کی جدوجہد معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے نہ کریں بلکہ جدوجہد غلبۂ اسلامی حصول، رضائے الٰہی اور شہادت کے شوق کے لیے کریں۔ مقامیت یعنی لوکلائزیشن تو انسان کو غرض کا بندہ ہی بناتی ہے اور وہ شخص جو کراچی میں بین الاقوامی سرمائے کی بڑھوتری کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیتا ہے غلبۂ دین کے لیے کیا کام کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے کیا قربانی دے گا؟ وہ تو پانی اور گٹروں کے انتظام اور بسوں کی آمدورفت کو زندگی کا مقصد رکھے گا۔ اچھی حکومت (Good Governance) کو زندگی کا حاصل سمجھے گا۔

چنانچہ یہ اچھی طرح سے سمجھ لیجیے کہ مقامیت (لوکلائزیشن) کے عمل کے تحت اقتدار نیچے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منتقل نہیں ہوتا بلکہ اقتدار اوپر جاتا ہے۔ اگر ہم وہ حکمت عملی اور وہ خارجہ پالیسی اپنائیں جو مغرب کو پسند ہو یا وہ Macro اکنامک پالیسی اختیار کریں جس پہ IMF اور ورلڈ بینک تصدیق کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں فی الواقع ہم عالمی سرمایہ دارانہ ریاست کے باج گزار کی حیثیت اختیار کر لیں گے۔ یہ پاکستان کو کمزور کرنے کی حکمتِ عملی ہے، توڑنے کی حکمتِ عملی نہیں! اقتدار اعلیٰ کو اوپر کی طرف منتقل کرنے کی حکمتِ عملی ہے اور عوام کو ہائی پالیٹکس سے، جس کے نتیجے میں پاکستانی ریاست کا تشخص متعین ہوتا ہے، اس سیاست سے ہاتھ کھینچ لینے کی طرف تیار کرنے کی حکمت عملی ہے۔ پاکستان کے عوام اس چیز کی طرف توجہ دیں کہ ان کو حقوق کتنے مل رہے ہیں وہ اپنے اوپر ظلم ختم کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اس طرف متوجہ نہ ہوں کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس کائنات کی اور آخرت کی حقیقت کیا ہے؟ امت مسلمہ کا مقصدِ وجود کیا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر استعمار کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں کس نوعیت کی معاشی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ یہ تمام باتیں کہنے سننے کی باتیں ہیں ہمیں ان کو بھول جانا چاہیے اور ہماری ریاست اس قابل ہی نہیں رہنی چاہیے کہ وہ اس نوعیت کے معاملات پر کوئی بھی مؤثر قدم اٹھا سکے۔ بلکہ ہماری ریاست کو استعمار کی ایک باج گزار ریاست ہونا چاہیے ایک ایسی ریاست ہونا چاہیے جس کا مقصد وجود یہ ہو کہ مقامی حکومتوں کو اس بات کے لیے تیار کیا جائے کہ وہ عالمی سرمائے کو اپنے دائرہ کار میں کھینچ (Attract) سکیں اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کر سکیں کہ لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو۔۔۔ اور ہم ایک فلاحی ریاست قائم کر لیں۔ یورپ میں ویلفیئر سٹیٹس مفادات اور ذاتی اغراض کی بنیاد پر قائم ہوئیں، اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لیے سول سوسائٹی کا تجربہ کیا گیا۔ لیکن سول سوسائٹی خاندان معاشرے کا نعم البدل نہ بن سکی کیوں کہ اس کی بنیاد ہی محبت، قربانی، ایثار اور بے لوث تعلق پر تھی۔ جبکہ سول سوسائٹی کی بنیاد صرف غرض، معاہدے اور خواہشِ نفس پر رکھی گئی ہے۔ جس کے اندر لوگ صلہ رحمی کی بنیاد پر تعلقات قائم نہ کرتے ہوں بلکہ ان تعلقات سے ماوراء ہو کر غرض کی بنیاد پر متحد ہو جائیں اور ان کی سیاسی زندگی کا مقصد اپنے حقوق کا حصول ہو اور ان کا نعرہ یہ ہو "ہمارے حق ہیں ہمیں دو"۔ ان حقوق کی بنیاد پر آپ ان کو متحد کریں گے تو وہ سرمائے کے بندے ہی بن جائیں گے۔ غرض کی بنیاد پر متحد ہونے والے کبھی غرض کی سطح سے بلند نہیں ہو سکتے اس کے نتیجے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں حاسد، حریص اور خودغرض معاشرہ تشکیل پاتا ہے، جس کے ہر فرد کا دوسرے فرد سے تعلق محض کسی فائدے اور غرض کے لیے ہوتا ہے۔ حقوق کی طلب اور سرمایہ داری کی بالادستی کو قبول کرنا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ حقوق کی سیاست سرمایہ داری کی بالادستی کی سیاست ہے اس کو آپ نام کوئی بھی دے لیں۔ جمہوری عمل، مقامیت، سرمایہ داری کے فروغ کے نتیجے میں حقوق، حرص اور حسد کی روش فروغ پاتی ہے اور معاشرہ خواہشات کی اندھی غلامی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چوتھا باب

مغربی استعمار اور اُمت مسلمہ کی ذمہ داری

اس ضمن میں سب پہلے جس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ دورِ حاضر کے استعمار کی بنیادی کمزوری کیا ہے؟ پہلے یہ عرض کر چکا ہوں کہ موجودہ دور میں سرمایہ ریاست کی دست برد سے باہر ہو چکا ہے۔ چنانچہ سرمایہ جس سطح پر مرتکز ہوتا ہے وہ ہے عالمی سطح۔ اسی لیے اب تقریباً ہر بڑے بازار میں جن کارپوریشنز کی بالا دستی ہے وہ بین الاقوامی کمپنیاں (Multinational Companies) یا انٹرنیشنل بینکس ہیں۔ لیکن سیاسی سطح پر قوت اب بھی قومی ریاستوں میں مرتکز ہے اور قومی ریاست سے اوپر کسی سطح پر سیاسی قوت کو مرتکز کرنے کی فی الوقت استعمار میں طاقت نہیں۔ لہٰذا اس ناہمواری کو عبور کرنے کے لیے جو حکمتِ عملی اپنائی گئی ہے وہ بنیادی طور پر استعماری حکمت عملی ہے اس کو سمجھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ عالمی۔گلوبل سرمائے کو ایک عالمی۔گلوبل ریاست کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ عالمی۔گلوبل ریاست موجود نہیں ہے۔ سرمایہ ہمیشہ ریاست کے اوپر انحصار (Depend) کرتا ہے۔ سرمایہ خود قائم نہیں بلکہ سرمائے کو قائم کرنے والی قوت ریاست کی قوت ہے۔ کیونکہ ریاست ہی قانون اور قوت منظم کرنے اور نافذ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے جس کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ بازار کام کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ بازاروں میں خود یہ اہلیت نہیں ہے کہ کسی قوت نافذہ کا کام دے سکیں۔ وہ ایک قوت نافذہ کو متصور (Presume) کرتے ہیں اور اسی کی پشت پر وہ اپنے نظام کو مرتب کرتے ہیں۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ بازار کے لیے سرمایہ دارانہ ریاست کا وجود لازم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب عالمی ۔گلوبل سطح پر جب سرمایہ مرتکز ہو رہا ہے تو سرمایہ ایک عالمی ۔گلوبل ریاست کا تمنائی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک عالمی ۔گلوبل ریاست قائم ہو مگر عالمی ۔گلوبل ریاست اس عمل سے پیدا نہیں ہو پاتی جس عمل کے نتیجے میں قومی ریاست پیدا ہوئی تھی اور اس کے نتیجے میں قومی ریاست نے ایک جمہوری شکل اختیار کی تھی۔ جمہوری شکل سے مراد یہی کہ اس کا وظیفہ ایک جمہوری شخصیت اور معاشرے کا قیام تھا۔ اس کمی کو پوری کرنے والی واحد قوت اس وقت جو موجود ہے۔۔۔وہ ہے امریکہ!

عالمی سطح پر سرمایہ کی حفاظت کون کرے؟

امریکہ بنیادی طور پر عالمی ۔گلوبل سرمائے کی محافظ عالمی ریاست ہے لیکن عالمی ۔گلوبل سرمائے کے لیے جس قسم کی ریاست کی ضرورت ہے امریکی ریاست کما حقہ اس معیار پر پورا نہیں اترتی۔ امریکہ مکمل طور پر عالمی سرمائے کی ضرورتوں کا تحفظ نہیں کر پاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ بنیادی طور پر قومی ریاست ہی ہے، اس کا حدود اربعہ قومی ہی ہے، اس کے اندر جو لوگ بسے ہوئے ہیں وہ ایک قوم کے لوگ ہیں، فی الحقیقت امریکہ ایک قومی ریاست ہے۔ لیکن وہ اس وقت ایک عالمی ریاست کا کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ گلوبل سرمائے کا پشت پناہ ہے اور عالمی سرمائے کے لیے وہ قوت فراہم کر رہا ہے جس کے نتیجے میں عالمی۔ گلوبل سرمایہ مارکیٹیں آپریٹ (Operate) کر رہا ہے اور اس طریقے سے کام کر رہا ہے جس کے نتیجے میں سرمایہ عالمی ۔گلوبل سطح پر مرتکز ہو سکے۔ اس کو سمجھنے سے پہلے کہ امریکہ کیا کردار ادا کر رہا ہے اور امریکہ یہ کردار کیوں ادا کر رہا ہے، یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ریاست سرمائے کی بڑھوتری میں کیا کردار ادا کرتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی دو خصوصیات ہیں سرمایہ دارانہ نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مارکیٹ میں عدم مساوات (Inequality) ہوتی ہے۔ مارکیٹ میں عدم مساوات کیوں ہوتی ہے؟ اس لیے ہوتی ہے کہ لوگوں کے پاس سرمایہ مختلف مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپ کسی دوسرے سے معاہدہ (Contract) کرتے ہیں تو فی العمل آپ اس کے برابر کے نہیں ہوتے، اس کے پاس آپ سے زیادہ سرمایہ ہوتا ہے یا کم سرمایہ ہوتا ہے۔ مارکیٹ میں یا معاشی شعبہ (Sphere) میں آپ کی جو حیثیت ہوتی ہے وہ ایک غیر مساوی معاہد (Contractor) کی ہوتی ہے۔ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو معاہدہ کرتے ہیں اس میں آپ کو مساوی (Equal) فرض کیا جاتا ہے لیکن فی الحقیقت آپ سرمایہ دارانہ معاشرت میں برابر کے معاہد (Contractor) یا (Contractee) نہیں ہو سکتے۔ مارکیٹ میں عدم مساوات ہوتی ہے جبکہ ریاست میں مساوات ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست جمہوری ریاست ہوتی ہے اور جمہوری ریاست میں جو آپ کی حیثیت ہے وہ اس سے ماورا ہے کہ آپ کے پاس کتنا سرمایہ ہے کتنا سرمایہ نہیں۔ اصولاً مارکیٹ میں عدم مساوات ہوتی ہے اور اصولاً ریاست میں برابری ہوتی ہے۔ اور ریاست کی سطح پر جو مساوات ہوتی ہے اس کی بنیاد پر مارکیٹ کی عدم مساوات کو جواز فراہم کیا جاتا ہے۔ مارکیٹ میں عدم مساوات کو جواز فراہم کرنے کے لیے ریاست میں مساوات کا موجود ہونا ایک ضرورت ہے۔ لہٰذا جس وقت سرمایہ دارانہ نظام کا پھیلاؤ بڑھتا ہے تو اس کے جواز (Legitimation) کے لیے ضرورت یہ ہوتی ہے کہ ریاست کی سطح کے اوپر جو مساوات ہے اس کی بھی توسیع کی جائے۔ اگر ریاست کی سطح کے اوپر وہ توسیع نہیں کی گئی جس کے نتیجے میں مارکیٹ کی عدم مساوات کو جواز (Justification) فراہم کیا جا سکے تو مارکیٹ میں جو عدم مساوات وجود میں آتی ہے اس کا کوئی جواز نہیں، اس کی کوئی توجیہہ نہیں بیان کی جا سکتی کہ کیوں ہم ان نامساویانہ حالات کو برداشت کریں۔ ان نامساویانہ حالات کو برداشت کرنے کے لیے ہیئتی مساوات (Formal Equality) کو وسعت دینا، ہیئتی مساوات (Formal Equality) کے دائرہ کار کو وسعت (Extend) دینا سرمایہ داری کے تحفظ کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔

سترلاکھ ریڈ انڈینز کا قتل عام

ان معنوں میں سرمایہ دارانہ مارکیٹ ریاست کی توسیع کے بغیر کبھی بھی قائم نہیں ہوئی۔ مثلاً خود امریکہ میں جو حکومت قائم ہوئی ہے، جو مارکیٹ قائم ہوئی ہے وہ سرخ ہندیوں (Red Indians) کو تہس نہس کر کے قائم ہوئی۔ سترہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک سات ملین سرخ ہندیوں (ریڈ انڈینز) کا قتل عام کیا گیا اور ان کی زمینیں چھینی گئیں۔ پوری ایک داستان ہے ظلم وستم کی۔۔۔ جس کے نتیجے میں پوری ایک نسل کو تباہ کیا گیا اور اس کی بنیاد پر امریکی مارکیٹ اس براعظم میں قائم (Established) ہوئی۔ ریاست کی اس بہیمیت اور ریاست کی اس سفاکی اور ظلم کے بغیر سرمایہ داری کے لیے امریکہ کو محفوظ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ داری مذہب کو بے دخل کرتی ہے

امریکی تاریخ اس چیز کی گواہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشرت کو قائم رکھنے کے لیے اور سرمایہ دارانہ معیشت کو برقرار رکھنے کے لیے سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع کی ضرورت ہے۔ اگر سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع نہیں ہوگی تو سرمایہ دارانہ معیشت پھیل نہیں سکتی۔ اب سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ دستور کے اوپر اجماع ہو۔ اور وہ جو لوگ بس رہے ہیں وہ سرمایہ دارانہ ریاست کی وسعت کو قبول کریں۔۔۔ رضامندی سے قبول کریں۔۔۔ وہ اسے ان معنوں میں قبول کریں کہ وہ اسے حق جانیں اور اسے تسلیم کریں۔۔۔ اس کو پسند کریں اور اس ریاست کی تنظیم پر وہ صاد کریں۔ ان کی مرضی یہی ہو کہ سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع ہو اور وہ اس کو حق جانیں کہ سرمایہ دارانہ نظم عدل اور سرمایہ دارانہ نظم ملکیت اور سرمایہ دارانہ سیاسی تنظیم عام ہو اور اس کی بنیاد پر معاشرتی اور معاشی زندگی مرتب ہو۔ مثلاً ان علاقوں میں جہاں سرخ ہندیوں کو قتل کیا گیا تھا، امریکی دستور کے اوپر اجماع ہوا۔ اور امریکی دستور نے وہی قواعد وضوابط بیان کیے جن کی بنیاد پر ایک سرمایہ دارانہ ریاست قائم ہو سکتی ہے۔ ایسی ریاست مذہب کو سیاست سے بے دخل کر دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ہر انسان اس کا مکلف ہے کہ وہ آزادی کی بڑھوتری کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور اس کو ہم وہ حقوق دیں جس کو حقوق انسانی (Human Rights) کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سرمایہ داری کے فروغ کے دو طریقے

سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع کا ایک طریقہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کا اس بات کے اوپر اجماع ہو جائے کہ سرمایہ دارانہ ریاست کا بنیادی وظیفہ اور سرمایہ دارانہ ریاست کی اصل دعوت دراصل حق کی دعوت ہے اور فی الواقع زندگی ہمیں انہی خطوط پر مرتب اور منضبط کرنا چاہیے جو سرمایہ دارانہ تنظیم ریاست بتاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع کا دوسرا طریقہ وہی طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے سرخ ہندیوں کو ختم کیا گیا یعنی قوت کے استعمال کے ذریعے۔ جنگوں میں فتوحات کے ذریعے۔۔۔ اس طریقے سے بھی سرمایہ دارانہ ریاست وسعت پاتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ استعماریت (Colonialism) کا جو عمل سولہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک چلا اور آج بھی موجود ہے سرمایہ دارانہ ریاست کو وسعت دینے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گیا یعنی قوت، دہشت، طاقت اور قتل عام کے ذریعے توسیع۔ یہ طریقہ مقبول عام طریقہ ہے۔ امریکہ میں سات ملین ریڈ انڈینز کو قتل کیا گیا اور ان کی نسل کشی کی گئی۔ دو ملین قدیم آسٹریلوی باشندوں کو آسٹریلیا میں قتل کیا گیا۔ جہاں اس بڑے پیمانے پر قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ ممکن نہ تھی وہاں استبداد کے ذریعے ملکوں پر قبضہ کیا گیا اور اس کے سرمایے کو سرمایہ دارانہ منڈیوں کے تابع بنایا گیا۔ وہاں اپنے مقامی حواریوں کا ایک گروہ تیار کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ ریاستیں سرمایہ دارانہ ریاستیں بن گئیں یا سرمایہ داری کی باج گزار ریاستیں بن گئیں۔ پھر بزور قوت ان کو سرمایہ دارانہ ملکیت اور سرمایہ دارانہ معیشت کے اندر ضم کر دیا گیا۔ سرمایہ دارانہ ریاست کے پھیلاؤ کا یہ دوسرا طریقہ ہے۔ جب تک سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع نہ ہو اس وقت تک سرمایہ دارانہ بازار کی توسیع نہیں ہو سکتی اور سرمایہ دارانہ ریاست کی توسیع کے لیے جمہوری عمل کی وسعت کی ان معنوں میں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ لوگ فی العمل ایجاباً اس جمہوری عمل میں شریک ہوں۔ وہ اس کو حق جانیں اور قبول کریں۔ بذریعہ قوت بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔ اب اصل میں جس چیز کو عام کرنا سرمایہ داری کے فروغ کے لیے ضروری ہے، [امریکہ کے کردار کو سمجھنے کے لیے یہ بات بہت اہم اور ضروری ہے حالانکہ اس وقت یہ بات ذرا مجرد (Abstract) لگتی ہے] جو چیز سرمایہ دارانہ سیاسی نظم کو قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جس کے بغیر لوگ سرمایہ دارانہ نظم کو قبول کرنے پہ راضی نہیں ہو سکتے یا سرمایہ دارانہ ریاست کی اس قوت کو قبول نہیں کر سکتے۔ وہ یہ رائے ہے کہ انفرادی سطح پر اقدار کی ترتیب میں جو فرق ہے یہ غیر اہم ہے۔ انفرادی سطح پر اقدار کی ترتیب میں جس فرق کا زندگیوں میں اظہار ہوتا ہے وہ غیر اہم ہے۔ اسے کہتے ہیں برداشت کا اصول (Doctrine of tolerance)۔ برداشت کا اصول کیا ہے؟ یہ عیسائیت سے نکلا ہے۔ جس کے بارے میں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ تحریک اصلاح اس اصطلاح کا سرچشمہ Protestantism سے نکلا ہے۔

رواداری کی مغربی اصطلاح کا حقیقی مفہوم

Doctrine of Tolerance یہ ہے کہ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ اقدار کی کیا ترتیب کرتے ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کی نگاہ میں اپنی ذاتی زندگی میں خیر کا کیا تصور ہے۔ معاشرتی سطح پر آپ اس چیز کے قائل ہیں کہ ذاتی زندگی میں اقدار کی کوئی بھی ترتیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو معاشرتی سطح کے اوپر جو ترتیب آپ قبول کریں گے اور جو فیصل حیثیت رکھے گی وہ وہی ترتیب ہے جس میں آزادی کی بڑھوتری کو مقدم تصور کیا جائے۔ Tolerance کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اختلافِ رائے کو برداشت کیا جائے وغیرہ، بلکہ اس کا مطلب بنیادی طور پر یہ ہے کہ آپ کی اقدار میں ترتیب کا جو فرق، ترتیب کا جو اختلاف ہے اس کو غیر اہم تصور کریں۔ اس بات کو اہمیت نہ دیں کہ ذاتی زندگی میں آپ نے خیر کے کس تصور کو اپنایا، فی الواقع خیر کیا ہے؟ اس لیے یہ ظاہر ہے کہ خیر کے تصور کو تو بنیادی طور پر انفرادی سطح پر اختیار کیا جاتا ہے۔ آپ اس چیز کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے اور کہیں گے کہ یہ سوال کہ 'خیر کیا ہے؟' ایک مہمل، غیر اہم اور بے کار سی بات ہے۔ معاشرتی سطح پر اس کے اظہار کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ خیر کیا ہے؟ معاشرتی سطح پر ہم صرف اس چیز کو خیر تصور کرتے ہیں کہ آزادی زیادہ سے زیادہ ہو اور آزادی کے اظہار کی شکل سرمایہ ہے۔ بس باقی یہ کہ خیر کیا ہے؟ ہم اپنے لیے کیا پسند کرتے ہیں؟ کیوں پسند کرتے ہیں؟ یہ تمام باتیں لایعنی اور غیر اہم باتیں ہیں، ان سب کو ہمیں بھول جانا چاہیے۔

سرمایہ داری کا سیکولرازم: مذہب کا خاتمہ

فی الواقع سرمایہ داری جس نوعیت کا سیکولرازم قائم کرتی ہے وہ اس نوعیت کے سیکولرازم سے بالکل مختلف ہے جو عیسائیت قائم کرتی ہے۔ عیسائیت بھی ایک سیکولرازم قائم کرتی ہے جہاں وہ کہتی ہے کہ بادشاہ کا ایک علاقہ (Domain) ہے اور پادری کا دوسرا علاقہ (Domain) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وہ عدم برداشت کے اس تصور کی بالکل قائل نہیں کہ اقدار کی ذاتی ترتیب غیر اہم ہے۔ سرمایہ داری جس نوعیت کا سیکولرازم قائم کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جس کے اندر ذاتی اقدار کی ترتیب کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رہتی۔ اسی لیے اس نوعیت کے سیکولرازم میں مذہب کا پنپنا ممکن ہی نہیں، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ معاشرتی اور ریاستی سطح پر سرمایہ مذہب کی کوئی اہمیت، افادیت، حاکمیت، مذہب کا کوئی اظہار برداشت کر سکے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا! اس لیے کہ جس نوعیت کا سیکولرازم وہ قائم کرتا ہے وہ فی الواقع ان معنوں میں سیکولرازم ہے ہی نہیں، جن معنوں میں عیسائیت کا سیکولرازم ہے۔ یہ سیکولرازم ان معنوں میں سیکولرازم نہیں ہے کہ جن معنوں میں بادشاہ کو ایک محدود دائرہ اثر [Limited sphere of Influence] اختیار دیا جاتا تھا لیکن بالادست تصورِ خیر اور تصورِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عدل' عیسائی تصورِ خیر اور تصورِ عدل' ہی رہتا تھا۔ مگر سرمایہ دارانہ نظام میں اس وقت انفرادی زندگی میں تصورِ خیر کو قائم رکھنے کی سرے سے کوئی گنجائش موجود نہیں۔ وہ ایک مہمل چیز ہے، ایک کھلونا ہے، ایک سجانے کی چیز ہے، ایک دستکاری ہے۔ آپ اگر مسجدوں کو آرٹ کی طرح متصور کریں اور اگر مذہبی زندگی کو ایک نفسیاتی دوا (سائیکالوجیکل میڈیسن) کی طرح متصور کریں تو اس کی اجازت تو موجود ہے مگر جب افغانستان میں بت توڑے گئے تو وہ بہت ناراض ہوئے کیونکہ کسی مذہب کا معاشرتی اظہار ریاستی سطح پر یا ریاستی سطح پر مذہبی اعتقادات وعقائد اور نظریات کے اظہار کی سرمایہ داری نظام میں قطعاً اجازت نہیں۔ اسی کو وہ برداشت کہتے ہیں۔ Tolerance کا یہی مطلب ہے۔ تاریخی طور پر اس کا کوئی اور دوسرا مطلب نہیں ہے۔ Protestantism میں بھی اس کا یہی مطلب تھا اور موجودہ تنویری اور رومانوی تحریک میں بھی اس کا یہی مطلب ہے۔ اس تصور برداشت کا جو اصلی مطلب ہے وہ یہی ہے کہ آپ حقوقِ انسانی کو بالاتر قدر کے طور پر قبول کریں۔ آپ اس تصور کو کہ فی الواقع انسان الٰہ ہے اور اس کا مقصد وجود سرمائے کی خدمت ہے۔ سرمائے کی خدمت کی بنیاد پر ہی اس کی اضافی قدر (Relative Value) متعین ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں امریکہ کی یہی خاص پوزیشن ہے کہ امریکہ وہ پہلی اور واحد ریاست ہے کہ جس کے قیام کا مقصد ہی حقوق انسانی کی بالادستی کو قائم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ امریکی ریاست یا امریکی قومیت کی کوئی بنیاد نہیں۔

امریکہ کا 1776ء کا اعلان آزادی (Declaration of Independence)، فیڈرلسٹ پیپرز اور امریکی دستور تینوں ہی اسی فلسفۂ برداشت کے غماز ہیں۔ ان معنوں میں سرمائے کی پہلی ریاست اور ایسی ریاست جو ہمیشہ سرمائے کی عقلیت کے فروغ سے وفادار رہی، اور سرمائے کے فروغ کو اپنا منصب اعلیٰ تصور کرتی رہی وہ امریکہ ہے اور ایسی کوئی ریاست کبھی قائم نہیں ہوئی۔ فرانسیسی ریاست تک کے بارے میں آپ یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ فرانسیسی ریاست میں انقلاب فرانس کے بعد نپولین تک ایک پورا دور گزرا، اس کے بعد پھر بوناپارٹ کی واپسی بھی ہے۔ لوئی نپولین کا دور بھی ہے اور بہت سے تضادات ہیں۔ فرانس کے اندر آمریت بھی قائم ہوئی اور کوئی دوسری ریاست دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ جس کے بارے میں یہ بات کہی جا سکے کہ سرمائے کی بالادستی کو اس نے اپنے مقصدِ وجود کے طور پر قبول کر لیا ہو۔ اب ہو سکتا ہے کہ اور ریاستیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی یہی کام کریں لیکن تاریخی طور پر سرمائے کی اکیلی ایک ہی ریاست رہی ہے اور وہ ریاست ہے امریکہ۔ اس لیے ہیگل کو سب سے زیادہ جو توقع تھی مغربی تہذیب کی بالادستی کے بارے میں وہ اپنے ملک سے نہیں۔۔۔ امریکہ سے تھی۔ حالانکہ اس وقت امریکہ ایک نہایت پسماندہ ملک تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع میں امریکہ کی کیا حیثیت تھی؟ 1820ء تا 1830ء تک امریکہ کی کیا حیثیت تھی؟ امریکہ وہ ملک ہے جو صرف اور صرف سرمائے کے لیے تعمیر شدہ ریاست ہے۔ ان معنوں میں اکیلی ریاست ہے جس نے Doctrine of tolerance کو اپنا دستور بنایا اور دنیا کے جتنے دساتیر ہیں امریکی دستور ہی کی ایک تعبیر و تفسیر (Reinterpretation) ہیں۔ جتنے دساتیر بھی بعد میں بنے وہ سب امریکی دستور ہی کی تعبیر و تفسیر ہیں اور یہاں تک کہ آپ دیکھیں 1948ء میں اقوام متحدہ نے جو اعلان حقوق انسانی (Declaration of Human Rights) جاری کیا اسے امریکی صدر کی بیوی الیرنور روز ویلٹ (Eleanor Roosevelt) نے لکھا تھا۔

دستور نے انجیل کی جگہ لے لی

ان معنوں میں امریکہ کی پوزیشن ایک خاص پوزیشن ہے۔ ان معنوں میں خاص پوزیشن ہے کہ یہ سرمائے کی پہلی ریاست ہے۔ چنانچہ جس نوعیت کی شخصیت وہاں تعمیر ہوئی ہے وہ بھی ایک منفرد شخصیت ہے، اس کے اندر یہ بالکل ایک فطری بات ہے کہ وہ انجیل کی جگہ دستور کو رکھے۔ جو چیز امریکی تہذیب، معاشرے اور معیشت میں بالادست ہے وہ امریکی دستور ہے۔ امریکی دستور غیر متنازعہ فیہ ہے۔ تمام فیصلے دستور ہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ دستور کے سوا کوئی چیز بالادست نہیں۔ کسی کو دستور پر فوقیت حاصل نہیں اور دستور کے سوا ہر چیز، ہر بات متنازعہ ہو سکتی ہے، دستور غیر متنازعہ ہے۔ پچھلے انتخابات میں جارج بش کی کامیابی اکثریتی ووٹوں کی بنیاد پر نہیں ہوئی، اکثریتی ووٹ تو دوسرے امیدوار کو پڑے تھے۔ لیکن دستور اور سپریم کورٹ کا فیصلہ سب کو قبول کرنا پڑا۔ یہ نہیں ہوا کہ تنازعہ آخر کار عوام کی عدالت میں پیش ہوا ہو، ایسا نہیں ہوا۔ وہ گیا عدالت میں ہی اور عدالت کا فیصلہ سب نے مانا، ہارنے والے نے بھی مانا اور جیتنے والے نے بھی مانا۔ عوام نے بھی مانا۔ اس لیے کہ دستور کی پابندی پر سب کا ایمان ہے۔ دستور سب کے لیے مقدس ہے۔۔۔ دستور نے انجیل کی جگہ لی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔۔۔ دستور نے انجیل کو رد کیا ہے۔ ان معنوں میں امریکہ سرمائے کی ریاست ہے۔ ہاں قومی ریاست بھی ہے۔ لیکن قومی ریاست بعد میں ہے۔ سرمایے کی ریاست پہلے ہے۔۔۔ کیوں؟ اس لیے کہ جس شخصیت کی اس نے تعمیر کی ہے یہ وہ شخصیت ہے جو سرمائے کی بالا دستی کو قبول کرتی ہے اور اپنی تاریخی شناخت ہی اسی قبولیتِ برتری سرمائے سے اخذ کرتی ہے۔ امریکہ کی ریاست کی بنیاد ہی امریکی دستور ہے۔ اس سے پہلے کی تاریخ امریکہ کے لیے استعمار کی تاریخ ہے اور ایسی تاریخ ہے جسے وہ رد کرتے ہیں۔ ان کی تاریخی شناخت یہ ہے کہ وہ سرمائے کے بندے ہیں یہ ان کی تاریخی شناخت ہے۔ ان معنوں میں فی الواقع ایک منفرد ریاست ہے۔

قومی اور عالمی سرمایہ اور ریاست کا تعلق

چنانچہ امریکہ کی دو حیثیتیں ہیں۔ امریکہ کی پہلی حیثیت یہ ہے کہ وہ سرمائے کی ریاست ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ وہ قومی ریاست ہے۔ جس وقت سرمایہ قومی سطح پر مرتکز ہوتا تھا اس وقت تک ان دونوں حیثیتوں میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ وہ بیک وقت سرمائے کی ریاست اور قومی ریاست کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن جس وقت سرمایہ دارانہ نظام میں یہ بنیادی تضاد پیدا ہوا کہ سرمایہ عالمی سطح پر مرتکز ہونے لگا اور ریاستی قوت قومی سطح پر مرتکز رہی تو یہ ایک تضاد پیدا ہو گیا۔ امریکہ سرمایے کی ریاست کی حیثیت سے جن اعمال کا مکلف تھا یا امریکہ کو جو فرائض بحیثیت سرمائے کی ریاست کے ادا کرنے پڑتے ہیں وہ فرائض ان فرائض سے متصادم ہیں جن فرائض کو اسے بحیثیت قومی ریاست ادا کرنا ہے۔ چونکہ ریاست کی سطح پر لوگ ہیئتی (Formally) اعتبار سے برابر ہیں اس لیے جس وقت بھی امریکہ ایسے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو عالمی سرمائے کی بڑھوتری اور فروغ کے لیے ضروری ہیں تو اس عمل کی تصدیق اسے اپنے ان ہیئتی (Formally) اعتبار سے برابر ووٹرز سے لینی پڑتی ہے۔ چونکہ یہ Formaliy Equal ووٹرز بنیادی طور پر اپنی غرض کی بنیاد پر متحرک (Motivate) ہوتے ہیں اور امریکی قوم پرستی ان معنوں میں کوئی قوم پرستی نہیں ہے جن معنوں میں جرمن قوم پرستی ہے یا تھی یا جاپانی قوم پرستی ہے۔ امریکی قوم پرستی تو وہ قوم پرستی ہے جو سرمائے کی بڑھوتری کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا جس وقت بھی امریکی ریاست اپنے عوام سے اس بات کی تصدیق چاہتی ہے کہ وہ کوئی ایسا عمل کرے جو سرمائے کی بڑھوتری کے لیے لازم ہے تو اسے یہ ثابت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا پڑتا ہے کہ یہ عمل امریکی عوام کے اغراض اور فائدے میں ہے۔ امریکی قومیت، جرمن قومیت یا جاپانی قومیت نہیں ہے۔ لہٰذا امریکی ریاست کا یہ تضاد ہے۔ قومی ریاست کی حیثیت سے اسے ہمیشہ اپنے ان اعمال کی تصدیق عوام سے کرانا پڑتی ہے۔ جو وہ سرمایہ کی عالمی بڑھوتری کے لیے انجام دیتی ہے۔ اور عوام صرف اس صورت میں توثیق کرتے ہیں جب یہ واضح اور ظاہر ہو کہ اس عمل کے نتیجے میں ان کی اغراض پر آنچ نہیں آئے گی۔ مثلاً اس وقت عالمی سرمائے کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ جمہوری ریاست کو عام کر دیا جائے۔ جمہوری ریاست کو عام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آدمی ووٹ دے۔ امریکہ کا صدر امریکہ ہی میں کیوں منتخب ہو۔ امریکہ کا صدر پوری دنیا منتخب کرے۔ امریکہ قومی ریاست کیوں رہے امریکہ بین الاقوامی ریاست بن جائے۔ امریکہ کم از کم اگر عالمی ریاست نہ بھی بنے تو ورلڈ فیڈریشن کی شکل ہی اختیار کر لے۔ سرمائے کی ضرورت یہ ہے کہ امریکہ کے اندر زیادہ سے زیادہ آزاد اور کھلی معیشت ہو اور دنیا میں ایسی کوئی دوسری معیشت نہ ہو۔ آسانی سے کم قیمت (Cheapest) لیبر امریکہ جا سکے، سب سے زیادہ باصلاحیت لوگ امریکہ میں ملازمت پا سکیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ تمام چیزیں نافذ العمل نہیں ہیں۔ کیوں نافذ العمل نہیں ہیں؟ اس لیے کہ ان چیزوں کو عملی جامہ پہنانے کے نتیجے میں وہ جو مساوی شہریت کا دائرہ ہے وہاں آپ ثابت نہیں کر سکتے کہ تمام چیزیں امریکی شہریوں کے مفاد میں ہیں۔ اگر سب لوگوں کو اس چیز کا حق دیا جائے کہ وہ امریکہ کے صدر کو منتخب کریں تو آپ امریکی شہریت کو عالمگیر کر دیں گے اور امریکی شہریت کے جو حقوق ہیں ان کو بھی عالمگیر (Universalize) کر دیں تو وہ فوائد جو امریکی شہریت والے امریکیوں کو ملتے ہیں تمام دنیا کے افراد کو ملنے لگیں گے۔ بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں! وہ لوگ جو سالہا سال سے امریکہ جا کر آباد ہوتے ہیں ان کو بھی شہریت نہیں ملتی۔ کیوں نہیں ملتی؟ عالمی ریاست کا تو یہی تقاضا ہے کہ سب کو امریکہ کا شہری بناؤ اس لیے کہ وہ سرمائے کی اکیلی ریاست ہے۔

سرمائے کی مجبوریاں

لیکن سرمائے کی یہ مجبوری ہے کہ وہ اپنی وسعت صرف اغراض تک محدود کر دیتا ہے سرمائے کی بڑھوتری کے لیے کوئی قربانی نہیں دیتا۔ سرمایہ کا بندہ حرص، حسد و ہوس کی سطح سے اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ سرمایہ تو نفس کو کثیف کرتا ہے۔ قربانی اور ایثار ان تمام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیزوں کی نفی ہے۔ لہٰذا امریکی ریاست کی یہ جو حیثیت ہے کہ وہ دنیا میں بالا دست ریاست ہو، سرمائے کی ریاست ہو اسی کی بالادستی تسلیم کی جائے، یہ ایک ایسا امکان (Potential) ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے اندر قابل حصول نہیں ہوسکتا۔ یا اگر ہوسکتا ہے تو محدود طریقے سے ہی ہوسکتا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ ذاتی اغراض عالمی بالادستی امریکی شہری کے لیے صرف اس وقت تک قابل قبول ہے جب تک اس کی اپنی اغراض اس سے متصادم نہ ہوں، یا جب اس کی اغراض اس سے مجروح نہ ہوں۔ مثلاً امریکہ کوئی بڑی زمینی جنگ نہیں لڑ سکتا۔ ویت نام کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ امریکہ کے اندر یہ اہلیت ہی نہیں ہے کہ وہ کوئی بڑی زمینی جنگ لڑ سکے۔ بڑی زمینی جنگ لڑنا تو درکنار اگر کوئی ایسی جنگ برپا ہو جائے جس کے نتیجے میں وال اسٹریٹ کے کریش ہونے کا خطرہ ہو، امریکہ اس جنگ کو بند کرنے کے لیے اپنی پوری قوت لگا دے گا۔ تو امریکہ دنیا کی طاقتور ترین ریاست ہونے کے باوجود ایک نہایت کمزور ریاست ہے۔ جس کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ بڑی بین الاقوامی زمینی جنگ لڑ سکے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جس قربانی کا قومیت کی بنیاد پر اور عیسائیت کی بنیاد پر یورپ اظہار کرتا رہا اب وہ اس کا اظہار کرنے سے قاصر ہے۔ کسی چیز کے لیے بھی یورپی، امریکی عوام قربانی دینے کے لیے تیار نہیں۔ اسی لیے جو اصلی ہتھیار ہے مغربی تہذیب کے خلاف وہ موت کی دہشت اور زندگی کے خاتمے کا خوف ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی یہی ہے، یہ ختم ہوئی تو تمام لذتیں ختم ہوگئیں، اس فانی زندگی کو کیسے لافانی بنایا جائے، اس کا ذریعہ صرف عیش وعشرت کی فراوانی ہے۔ اس لیے مغرب، امریکا اور یورپ میں لوگ مرنے کے لیے آمادہ نہیں کیونکہ آخرت کا کوئی تصور وہاں موجود نہیں۔ زندگی ہی سب کچھ ہے، لہٰذا جنت ارضی کی نعمتوں سے دست بردار ہونے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ جدید ترین اسلحہ اسی بنیاد پر تیار کیا جا رہا ہے کہ افرادی قوت کے استعمال کا متبادل تیار کیا جائے۔ زمینی جنگ کے بجائے بٹن کے ذریعے جنگ کی جائے اور ہزاروں میل دور سے ہدف کو نشانہ بنایا جائے کیونکہ امریکی ومغربی معاشرت موت کی سختی جھیلنے کے لیے آمادہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ معاشرت اور زندگی کی بنیاد لذت اور حصول لذت پر منحصر ہے۔ وہاں تو پورا تعلق ہی اس دنیا میں لذت کے اضافے سے ہے۔ زندگی ختم ہو گئی تو اس سیاست کا پورا تعقل/وجہ جواز تحلیل ہوگیا، ختم ہوگیا۔ انیسویں صدی کی برطانیہ کی سیاست خصوصاً اگر آپ گلیکسٹن، پامسٹن، یا ڈیزیلی کی سیاست کو دیکھیں اور موجودہ امریکی صدور کی سیاست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو دیکھیں تو یہ ان کے مقابلے میں بونے نظر آتے ہیں۔ حتی کہ نکسن اور جانسن بھی ان کے مقابلے میں بونے نظر آتے ہیں۔ فی الواقع یورپ کے قدیم فکر سے متاثر افراد ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، کیونکہ جس نوعیت کی اولوالعزمی استعماریت کی بالادستی کے لیے چاہیے وہ امریکہ میں موجود ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ کہ جس نوعیت کی ریاست امریکہ نے تعمیر کی ہے اس نوعیت کی ریاست اس کی اجازت نہیں دیتی کہ آپ لوگوں کو قربانی دینے کی طرف بلائیں۔ آپ جس چیز کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں وہ ان کے حقوق اور اغراض کی تکمیل ہے اور اس کی بنیاد کے اوپر وہ آپ کا ساتھ اسی وقت تک دے سکتے ہیں جس وقت تک آپ بتائیں کہ اسی موجودہ زندگی میں جو راہ وہ اختیار کر رہے ہیں وہ ایسی راہ ہے جس سے ان کی لذت اور افادیت میں اضافہ ہوگا۔

بیوروکرائزیشن آف ہائی پالیٹکس

اب اس کمزوری سے نبرد آزما ہونے کیلئے جو حکمت عملی اختیار کی گئی ہے اسے کہتے ہیں اعلیٰ سیاست کو بیوروکریسی کے سپرد کر دینا (Bureaucratization of High Politics)، اس سے ہماری کیا مراد ہے؟ اس سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کے ماتحت ایسے ادارے قائم کیے گئے جو ان فیصلوں کو جو پہلے ریاستیں سیاسی اجماع کی بنیاد پر کرتی ہیں، ان فیصلوں کو وہ ٹیکنیکل بنیادوں پر کرتے ہیں۔ مثلاً معاشی پالیسی کس نوعیت کی ہونا چاہیے۔ پہلے یہ فیصلہ قومی سطح پر مختلف جمہوری جماعتوں کے منشوروں میں تضادات اور اختلافات کی بنیاد پر عوام کے چناؤ سے ہوتا تھا۔ کس نوعیت کی پالیسیاں ہونی چاہئیں۔ کیا بینکوں کو نیشنلائز کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟ کس قسم کی صنعت کو فروغ دینا چاہیے وغیرہ، یہ تمام فیصلے اس بنیاد پر ہوتے تھے کہ ایک جمہوری جماعت ایک بات کہتی تھی دوسری جمہوری جماعت دوسری بات کہتی ہے۔ یہ جو منشور تھے یہ بہت مختلف ہوا کرتے تھے۔ لیبر پارٹی کا منشور کنزرویٹو پارٹی کے بالکل الٹ ہوتا تھا۔ عوام یا لیبر پارٹی کو منتخب کرتے تھے یا کنزرویٹو پارٹی کو۔ اگر کنزرویٹو پارٹی کو منتخب کرتے تھے تو پھر بینکوں کو نیشنلائز نہیں کیا جاتا تھا۔ مالیاتی سیکٹر کو ترقی دی جاسکتی تھی۔ مگر پیداواری سیکٹر کو ترقی نہیں دی جاتی تھی۔ اگر لیبر پارٹی کو منتخب کرتے تھے تو بینکوں کو نیشنلائز کیا جاتا تھا۔ مالیاتی (فنانس) سیکٹر کو ترقی نہیں دی جاتی تھی، پیداواری (Manufacturing) سیکٹر کو ترقی مل جاتی تھی وغیرہ۔ اب ایسے تمام فیصلے کہ کسی ملک کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاشی پالیسی کیا ہوگی ٹیکنیکل بنیادوں پر کیے جاتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ ریاست کے لیے نظم وضبط کا نیا تانا بانا

اب یہ کہا جاتا ہے کہ معاشی پالیسی کا بنیادی مقصد سرمائے کی بڑھوتری ہے اور اس پہ سب کا اجماع ہے کہ ہم سرمائے کی بڑھوتری چاہتے ہیں۔ سرمائے کی بڑھوتری کس طریقے سے ہوگی؟ یہ ٹیکنیکل بات ہے، سیاسی بات نہیں ہے۔ کسی خاص ملک میں سرمائے کی بڑھوتری کیسے ممکن ہوگی، اس کا جواب دینے کے لیے ہم نے ایک سائنس بنالی ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ یہ کیسے ہوگا، اس سائنس کا نام ہے اکنامکس۔ اکنامکس بتاتی ہے کیا کیا ٹیکنیکل ضرورتیں ہیں کہ جن کو اگر آپ پورا کریں تو آپ کے ہاں سرمائے کی بڑھوتری ممکن ہوگی۔ کون سب سے اچھے طریقے سے یہ خدمت انجام دے سکتا۔ یہ ایک خاص ٹیکنیکل ایجنسی ہے جو یہ بتا سکتی ہے سرمائے کی بڑھوتری کب پوری ہوگی، آپ کی پالیسیاں کون کون سی ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ وہ ٹیکنیکل ایجنسی کون سی ہے؟ وہ ٹیکنیکل ایجنسیاں ہیں IMF، ورلڈ بینک، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن وغیرہ۔ چنانچہ وہ جتنے ایشوز جو پہلے بالکل جمہوری سیاست کی اصل تھے وہ ایشو جو پہلے ڈیموکریٹک پالٹکس کی جان تھے وہ غیر سیاسیائے (Depoliticize) جا چکے ہیں یا غیر سیاسی بنائے جا رہے ہیں اور انہیں غیر سیاسی بنانے کے لیے جو ایجنسیز قائم کی گئیں وہ یہی اقوام متحدہ اور اس کے حلیف ادارے ہیں جیسے کہ IMF، ورلڈ بینک اور WTO وغیرہ وغیرہ۔ یہی عمل دفاعی سیکٹر میں بھی جاری ہے۔ یہ بات کہ آپ عالمی سرمائے کی بڑھوتری کس طریقے سے ممکن بنا سکتے ہیں یہ محض ایک معاشی بات نہیں بلکہ عالمی سرمائے کی بڑھوتری کو ممکن بنانے کے لیے آپ کو سیاسی استحکام کی بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو سیاسی استحکام حاصل کرنا ہے تو آپ کو اسی نوعیت کی دفاعی پالیسی بھی اختیار کرنا پڑے گی جس کے نتیجے میں سرمایہ اپنے آپ کو آپ کے ملک میں محفوظ سمجھ سکے۔ چنانچہ یہ بھی ایک ٹیکنیکل بات ہے کہ آپ کس نوعیت کی دفاعی پالیسی اختیار کریں گے۔

الغرض آپ اگر سرمائے کی بڑھوتری پر متفق ہیں تو پھر معاشرتی شعبہ میں بھی آپ کو اسی قسم کی Technologization نظر آئے گی۔ صحت کے معاملے میں بھی۔۔۔ مثلاً پاپولیشن کنٹرول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کے لیے ضروری ہے کہ اگر پاپولیشن کنٹرول نہیں کریں گے تو آپ کے ملک میں آبادی بہت بڑھ جائے گی اس کے نتیجے میں سرمایہ پورا فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ماحول (Environment) کے میدان کے میں بھی سرمایہ کاری ہو تو ماحول کے ضمن میں بھی کچھ خاص پالیسیوں کو اپنانے کی ضرورت ہوگی۔ وسائل کے استعمال کے ضمن میں بھی یہی بات صادق آئے گی۔ آپ کو ایسے قانون بنانے پڑیں گے اور ان کی بالادستی قبول کرنا ہوگی۔ اسی طرح سمندری وسائل کے استعمال کے لیے سمندری قوانین (Laws of Sea) ہیں جن کو مان کر سرمایہ کی بڑھوتری کا امکان وسیع ہوگا۔

UNO اور عالمی ادارے کون قائم کرتا ہے؟

الغرض سرمائے کی بالادستی کو بحیثیت مجموعی پوری عالمی معیشت پر جاری کرنے اور مستحکم رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا طریقہ ان ایشوز کی Technologization ہے کہ جو پہلے سیاسی ایشوز تھے اور یہ technologization وہ ادارے ممکن بنا رہے ہیں جو بنیادی طور پر اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے ہیں۔ اور اقوام متحدہ کی پشت پر اور ان ذیلی اداروں کی پشت پر کون سی قوت موجود ہے؟؟؟ وہ صرف امریکہ کی قوت ہے۔ چنانچہ وہ کام جو امریکہ کو بحیثیت ایک عالمی ریاست کے سیاسی قوت کے استعمال کے نتیجے میں بلاواسطہ کرنا چاہیے تھا، وہ کام اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کے ذریعے تیکنیکل طور پر کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ سرمائے کی بڑھوتری کے لیے عالمی سطح پر جس تنظیم کی ضرورت ہے وہ تنظیم اقوام متحدہ فراہم کرتی ہے۔ لیکن اقوام متحدہ اور اس کی ایجنسیاں خود قوت والی چیز نہیں ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس کوئی قوت ہے نہ وہ کوئی جمہوری ادارے ہیں۔ ان معنوں میں کہ ان اداروں کا کوئی جمہوری جواز ہو، ان کی کوئی جمہوری حیثیت ہو۔ ان کی کوئی جمہوری حیثیت نہیں ہے کسی نے بھی اقوام متحدہ کے اداروں کو منتخب نہیں کیا ان کے پیچھے جو جمہوری قوت ہے وہ امریکہ ہی کی قوت ہے۔ ان معنوں میں ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ یہ IMF، ورلڈ بینک وغیرہ سب امریکی ادارے ہیں نہ صرف یہ بلکہ پرائیویٹ سیکٹر کے جو سٹینڈرڈ سیٹنگ ادارے مثلاً انٹرنیشنل اکاؤنٹنگ باڈیز، ISO 9000، اور 9002 کے سٹینڈرڈ بنانے والے ادارے، ماحول اور کوالٹی کنٹرول کے ادارے وغیرہ سب امریکی ادارے ہیں۔ اور سرمایے کی پشت پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امریکہ ہے۔ چاہے وہ سرمایہ ملائیشیا سے آئے، چاہے سعودی عرب سے آئے، یا چاہے لاطینی امریکہ سے آئے، اس کی پشت پر جو سیاسی جمہوری قوت ہے وہ امریکہ کی قوت ہے۔ دوسری کوئی قوت موجود نہیں۔ سرمائے کی پشت پر جو سیاسی جمہوری قانونی (Legitimate) قوت موجود ہے وہ امریکہ کی قوت ہے۔ اسی لیے ہر سرمایہ کار چاہے وہ پاکستانی سرمایہ کار ہو، چاہے وہ ملائی سرمایہ کار ہو، چاہے وہ فرانسیسی سرمایہ کار ہو، کوئی بھی ہو، جب آپ اس سے پوچھیں تمہیں ہمارے ملک میں سرمایہ کاری کے لیے کس قسم کی پالیسیوں کی ضرورت ہے وہ کہتا ہے اس قسم کی پالیسیوں کی جن کی IMF تصدیق کرے ۔۔۔ کیوں؟ اس لیے کہ IMF کی تصدیق بنیادی طور پر اس بات کا اظہار ہے کہ یہ وہ پالیسیاں ہیں کہ جس سے سرمائے کی عالمی بڑھوتری کو تقویت ملتی ہے اور یہ وہ پالیسیاں ہیں جن کے نتیجے میں امریکہ کی سیاسی قوت کو استحکام ملتا ہے۔ لہٰذا سرمائے کی پشت پر جو قوت ہے وہ امریکی ریاست کی قوت ہے۔ لہٰذا ہم اس متضاد صورت حال میں ہیں کہ سرمایہ تمام ریاستوں کو کمزور کرتا ہے لیکن امریکہ کی ریاست کی قوت میں اضافہ اس کی ضرورت ہے۔ اگر امریکی ریاست کی قوت متزلزل ہو جائے، اگر امریکی ریاست کی قوت کہیں سے بے دخل کر دی جائے تو سرمایہ وہاں نہیں رہے گا، سرمایہ وہاں غیر محفوظ ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم جس وقت یہ کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب سے مقابلہ فی الواقع امریکہ سے مقابلہ ہے تو ہم کسی نسلی تعصب کی بنیاد پر یہ بات نہیں کہتے۔ ہم اس بنیاد پر یہ بات نہیں کہتے کہ ہمیں امریکی عوام سے کوئی بغض ہے یا امریکیوں سے کوئی نفرت یا کوئی ایسی چیز ہے جو ہم معاف نہیں کر سکتے وغیرہ وغیرہ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ بات یہ ہے کہ سرمائے ہی نے امریکی ریاست کو تعمیر کیا ہے اور سرمایے کی پشت پناہی امریکی ریاست کرتی ہے۔ اپنی اس کمزوری کے باوجود اس کو سرمایے کی بالا دستی قائم رکھنے کے لیے اپنے عوام سے ہمیشہ ایک اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اجازت ہمیشہ مشروط ہوتی ہے اس بات سے کہ سرمائے کی بڑھوتری کے لیے انہیں کوئی قربانی نہ دینی پڑے یا بہت کم قربانی دینی پڑے۔ حالانکہ ایسے لوگ بھی امریکہ میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک بہت مشہور مفکر ہے جس کا نام ہے نوم چومسکی وہ کہتا ہے کہ نہیں اصل میں تو امریکی ریاست پر سرمایہ ان معنوں میں قابض ہو گیا ہے کہ یہ امریکی عوام کے لیے مضر ہے اور فی الواقع امریکی عوام کو سرمایہ دھوکہ دیتا ہے۔ امریکہ سرمائے کی بالا دستی کے حصول کے لیے جو قربانیاں دیتا ہے وہ اس کے حق میں نہیں ہے۔ اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطابق سرمایہ امریکہ میں جمہوریت کو ختم کر رہا ہے تو ایسے مفکرین بھی موجود ہیں جو اس نوعیت کی بات کرتے ہیں۔ لیکن ان مفکرین کو کسی بھی سطح پر پذیرائی حاصل نہیں ہے کیونکہ سرمایہ داری کی الوہیت پر اجماع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی ریاست سرمائے کی ریاست ہے اور سرمائے کے پیچھے جو قوت نافذہ ہے وہ امریکہ کی قوت نافذہ ہے۔ ہمارا اصل مقابلہ سرمایہ داری اور سرمایہ داری کے مذہب سے ہے، جو وحی الٰہی کی جگہ لینا چاہتا ہے اور یورپ میں تو وہ یہ جگہ حاصل کر چکا ہے۔ سرمائے سے ہم حرص وحسد اور نفس کو پراگندہ کرنے والی وہ روح خبیثہ مراد لیتے ہیں جس کے نتیجے میں تمام دنیا سے مذہب کو بے دخل کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے اور جس کے نتیجے میں دنیا جہنم بن رہی ہے۔ اب دنیا میں جہنم تعمیر کرنے کی یہ جو تحریک ہے اس کا بھی اظہار سب سے زیادہ امریکہ ہی میں ہوتا ہے۔ امریکہ میں ہی سب سے زیادہ اس عمل کا ثبوت ملتا ہے کہ سرمائے کی بالادستی جس وقت قائم ہوتی ہے تو فی الواقع کس نوعیت کا معاشرہ تعمیر ہوتا ہے۔ اب اس سلسلے کے صرف چند حقائق میں آپ سے عرض کروں گا۔

سب سے پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ خود امریکہ کا قیام شاید تاریخ انسانی کے سب سے بڑے ظلم کا نتیجہ تھا۔ 7 ملین ریڈ انڈینز بالترتیب دو صدیوں تک قتل ہوتے رہے اور پوری ایک نسل انسانی کی بیخ کنی ریاستی ایماء پر کی گئی۔ اس کی نظیر فی الواقع منگولوں اور تاتاریوں کے ہاں بھی شاید اس حد تک نہ ملتی ہو جیسے امریکہ میں ہوا اور ایک پورے براعظم کو لوٹا گیا اور ایک پورے براعظم سے ایک پوری انسانیت کو بے دخل کر کے اس کے اوپر قبضہ کیا گیا اس سے بڑا ظلم شاید تاریخ انسانی میں نہیں ہوا۔

سرمایہ دارانہ ریاست کے جرائم

امریکہ دنیا کی واحد ریاست ہے جس کی بنیادوں میں ۷۰ لاکھ انسانوں کا خون شامل ہے جنھیں صرف اس بات پر قتل کیا گیا کہ یہ وحشی درندے ہیں، انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ پھر خود اس وقت امریکا کی جو معاشرتی حالت ہے اس کو بیان کرنے کے لیے میں نے Department of Justice سے کچھ اعداد و شمار جمع کیے ہیں:

☆ اس وقت امریکہ میں 2 ملین قیدی ہیں اور شرح آبادی کے لحاظ سے امریکہ میں قیدیوں کی تعداد دوسرے مغربی ممالک کے مقابلے میں آٹھ گنا زیادہ ہے۔

☆ دو ملین افراد قید میں ہیں، جبکہ 4 ملین افراد وہ ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

Probation یا کسی نہ کسی تادیب کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں۔

☆ مجموعی سفید نسل کی آبادی میں سے 1% مرد اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی جیل میں جاتے ہیں، جبکہ کالوں میں یہ تعداد 33% ہے۔ یعنی 33% کالے مرد اپنی زندگی میں کسی نہ کسی وقت کسی جرم کا لازماً شکار ہوتے ہیں۔

سرمایہ داری میں جرائم صنعت بن جاتے ہیں

☆ محکمہ عدل امریکا کی شماریات کے مطابق 50% کے قریب اسکول جانے والے بچے منشیات کو استعمال کرتے ہیں۔

☆ امریکہ کی پولیس صرف 3% جرائم کو عدالتوں تک لاسکتی ہے۔ سنگین جرائم کے مرتکبین میں سے محض 3% سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

☆ اس وقت امریکا میں جرم ایک صنعت (Industry) بن گیا ہے۔

☆ اس وقت امریکہ کی ایک چوتھائی (1/4) آبادی کسی نہ کسی شکل میں جرائم کے فروغ سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

☆ یعنی 280 ملین امریکی آبادی میں سے 67 ملین کسی نہ کسی طور پر جرائم سے فائدہ یا نفع اٹھاتے ہیں۔

جرائم کے نتیجہ میں ان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے امریکہ کی جرائم کی صنعت کے فروغ کے نتیجے میں پوری معاشرت ایک مجرمانہ معاشرت کی شکل اختیار کر گئی ہے اور اس نوعیت کی انفرادیت کو فروغ دینے کے جو نتائج ہوتے ہیں ہمیں خود امریکی معاشرے کے اندر نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم اپنے آپ کو سرمائے کی بڑھوتری کے اوپر مجبور سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمائے کی بڑھوتری کو معاشرتی زندگی کا واحد مقصد سمجھ لینا فی الواقع اوصافِ رذیلہ کو فروغ دینے کے سوا کچھ نہیں، اور معاشرے کو اس طریقے سے مرتب کرنے کے سوا کچھ نہیں کہ جس میں سرمائے کی بندگی عبدیتِ رب کی جگہ لے سکے۔ لہٰذا سرمایہ داری سے اور اس کے محافظوں سے ہمارا مقابلہ ان بنیادوں پر نہیں ہے کہ وہ کوئی خاص حادثاتی واقعات ہیں جن کی بنیاد پر ہم سرمایہ داری اور اس کے حلیفوں اور پشت پناہوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی مکالمے، یا کسی افہام وتفہیم کی بنیاد پر ہم کسی ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفاہمت تک پہنچ سکتے ہیں جس کے نتیجے میں بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت وہ ہمارے اصولوں کی قدر کو بھی مانے اور ہم اس کے اصولوں کی قدر کو بھی مانیں یہ امید کہ سرمایہ داری کے ساتھ کوئی بقائے باہمی ممکن ہے، ایک غیر تاریخی اور غیر حقیقی خیال ہے اور سرمایہ داری کی تاریخ تہذیب، فلسفہ اور حقیقت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

کیا مکالمہ.....افہام وتفہیم ممکن ہے؟

بنیادی طور پر جو لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ افہام وتفہیم کی بنیاد پر مغرب، سرمایہ داری اور سرمایہ داری کی پشت پناہ اور حلیف طاقتوں کے ساتھ آپ کوئی مصالحت کر پائیں گے تو فی الواقع وہ سرمایہ داری کی تاریخی حیثیت اور سرمایہ دار معاشروں کی ماہیت اور اس کی خصوصیت سے ناواقف ہیں، ان معنوں میں ناواقف ہیں کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ سرمائے کی ریاست سرمائے کے فروغ اور سرمائے کی عالمی بالادستی کے لیے لازم ہے کہ امریکی سیاسی قوت کو عالمی بالادستی حاصل ہو اور سرمایے اور امریکی عالمی بالادستی کے قیام کا مقصد یہی ہے (اور لازمی نتیجہ بھی یہی ہے) کہ سرمائے کی بندگی عام ہو، اخلاق رذیلہ عام ہوں۔ اس نظام میں مذاہب اور اسلام نجی زندگی تک محدود ہو جائیں یا مذاہب سرمایہ داری اور اس کے مبادیات، دعوؤں اور وعدوں کا جواز پیش کریں یا اپنے آپ کو مغربی سانچے میں ڈھال لیں۔ تو یہ امریکہ کے ساتھ کوئی مصالحت نہیں ہوگی، یہ سرمایہ داری کی بالادستی کو قبول کرنے کا ایک طریقہ ہوگا۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ سرمایہ کی بالادستی کو قبول کیا جائے اور اخلاق رذیلہ کو فروغ پانے کی اجازت دی جائے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ بین الاقوامی نظام میں جب سرمایہ عالمی سطح پر مرتکز ہو رہا ہے تب امریکہ کی بالادستی کو قبول کرنا سرمائے کی بالادستی قبول کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ سرمائے کی بالادستی کو قبول کرنا اخلاق رذیلہ کے فروغ کے سوا کوئی کچھ نہیں۔ جس سیکولرازم کو یہ سرمایہ داری قائم کرتی ہے وہ اس نوعیت کا سیکولرازم ہے جہاں انفرادی سطح پر تعین اقدار کو مہمل تصور کیا جاتا ہے اور اسکیلئے قابل عمل اقدار جو ادارتی شکل اختیار کرتے ہیں وہ صرف حرص وجسد کے اقدار ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر شہادتِ حق اور دعوت دین کا فریضہ انجام دینا ہے، اگر اخلاقِ حمیدہ کو پھیلانا ہے، اگر عبادتِ رب کو عام کرنا ہے تو عبادتِ سرمایہ کو رد کرنا ہوگا۔ اخلاقِ رذیلہ کا انکار کرنا ہوگا یہ انکار سرمائے کی عالمی بالادستی اور امریکہ کی سیاسی فوقیت کے انکار کے سوا کوئی کچھ نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کس چیز پہ مغرب سے مکالمہ کریں گے؟ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم امریکہ کی اس حیثیت کو پہچانیں اور اس مغالطے میں نہ رہیں کہ بین الاقوامی ادارے کسی معنی میں ہمارے ممالک کے بارے میں کوئی غیر جانبدارانہ (نیوٹرل) حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ وہ وہی حیثیت اختیار کرتے ہیں جو سرمائے کو عالمی سطح پر غالب کرنے کے لیے ضروری ہے اور وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جس کے نتیجے میں سرمایہ محفوظ ہو، جس کے نتیجے میں امریکہ کی بالادستی قائم رہے۔

سرمایہ داری کے اس زبردست غلبے اور عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کی توسیع کے سلسلے میں طاقت کے زبردست استعمال کے باوجود سرمایہ داری کا مقابلہ کرنے کی استعداد اور گنجائش آج بھی موجود ہے۔ اسلام اور سرمایہ داری چونکہ متضاد مذہب ہیں لہٰذا مغرب اور سرمایہ داری سے شدید کشمکش صرف ملتِ اسلامیہ کو درپیش ہے۔

یہ موقعہ ہے کہ ہم مغرب کا علمی محاکمہ کریں اور مغربی تہذیب کو بالکلیہ رد کریں۔ مغربی تہذیب کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت کی راہ اختیار نہ کریں۔ اصل میں مغربی تہذیب کو بالکلیہ رد کرنے ہی کی ضرورت ہے۔ مغربی تہذیب کے اندر اسلام کے لیے گنجائش تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مغربی تہذیب کے اندر گنجائش تلاش کرنے کی روایت عام ہے اور بالخصوص عظیم پاک و ہند میں مغربی تہذیب کے اندر اسلام کے لیے گنجائش تلاش کرنے کی بہت سی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ مثلاً بیسویں صدی کے شروع میں ہمارے ہاں یہ خیال عام تھا کہ مغربی تہذیب اسلام کا ہی تتمہ ہے۔ اور بنیادی طور پر تحریک تنویر نے عیسائیت کو رد کر کے جن فلاسفہ اور مفکرین کی طرف رجوع کیا وہ مسلمان ہی تھے۔ چنانچہ مغربی تہذیب بنیادی طور پر اسلامی تہذیب ہی ہے اور اس کا اظہار سرسید، امیر علی، چراغ علی اور دیگر متجددین جیسے پرویز صاحب وغیرہ نے کیا۔ چنانچہ ہمیں بحیثیت مجموعی مغربی تہذیب کو قبول کر لینا چاہیے اور اجتہاد سے ان کی مراد یہی تھی کہ مغربی تہذیب کے سانچے میں اسلام کو ڈھال لینا چاہیے، لیکن یہ صرف ایک موقف یا ایک رائے تھی۔ دوسری رائے یہ تھی کہ بحیثیت مجموعی مغربی تہذیب اسلام کا تتمہ نہیں ہے بلکہ مغربی تہذیب کا ایک پہلو یا چند پہلو ایسے ہیں جو اسلامی اقدار کے غماز ہیں مثلاً اگر ہم علامہ اقبال کی تشکیل جدید الٰہیات اسلامی (Reconstruction of Religious Thought in Islam) کو دیکھیں تو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اندر یہ دعویٰ موجود ہے کہ مغربی تہذیب کا ایک پہلو مثلاً 'تجربیت' ہے، تجربیت اسلام سے کسی نہ کسی حد تک مطابقت رکھتا ہے تو اس دھارے کو استعمال کر کے اسلامی تہذیب کے فروغ کی کوشش کرنا چاہیے۔ تو مغربی تہذیب سے بحیثیت مجموعی مصالحت نہیں بلکہ مغربی تہذیب کے ایک دھارے کے ساتھ ہم اپنا تعلق جوڑ سکتے ہیں اور اس سے فروغِ اسلام ممکن ہو سکتا ہے۔

مغرب اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ

اس معاملے میں علمائے کرامؒ نے جو راہ اختیار کی، اُن میں سے ابتداءً اگر ہم کسی کا تذکرہ کریں تو وہ شیخ المشائخ قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ہیں۔ آپ کے ہاں ہمیں ملتا ہے کہ آپ نے تین چیزوں کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ (۱) علوم اسلامیہ کا احیاء (۲) تصوف کی تطہیر و احیاء اور (۳) جہادِ اسلامی۔ آپ کی شخصیت ان تینوں دھاروں کو مجتمع کرتی ہے۔ آپ جہادِ 1857ء کے امیر تھے۔ اس طرح آپ نے جس روایت کی بنیاد رکھی وہ مغربی تہذیب کے رد کی بنیاد تھی۔ مغربی تہذیب کے رد کی بنیاد ان معنوں میں کہ آپ نے، آپ کے تلامذہ نے، اور آپ کی فکر سے متاثر لوگوں نے کوشش کی کہ اسلام کو مغربی تہذیب سے بحیثیت مجموعی محفوظ رکھا جائے۔ اس کی روحانیت کو اور علمیت کو بھی محفوظ رکھا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ جہاد کو فروغ دیا جائے۔ اور اس چیز کی کوشش کی جائے کہ برعظیم میں غلبۂ اسلامی جہاد کے ذریعے ممکن ہو سکے۔ اس تحریک نے مغربی علوم، مغربی افکار اور مغربی اثرات کا علمی محاکمہ نہیں کیا لیکن اس تحریک کے نتیجے میں ہم نے یہ وقیع ترین کام سرانجام دیا کہ اپنے اور اپنے علمی نظام اور روحانی تطہیر کے نظام کو یقیناً مغرب سے محفوظ رکھا اور علمائے بریلی اور دیوبند کا یہ عظیم ترین کارنامہ ہے کہ مغرب کے سیاسی غلبے کے باوجود علوم اسلامی اور علوم تصوف کے اندر مغربی افکار کو ایک انچ گھسنے کی اجازت نہیں دی۔ اس معاملے میں اگر ہم اپنے اکابر کے کارناموں کا، ہندو شنکراچاریوں کی کارکردگی سے مقابلہ کریں تو دیکھیں گے کہ کتنے بڑے پیمانے پر علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے ہمارے اوپر احسان فرمایا۔

مغرب اور ہندومت

دوسری طرف ہندومت نے مغربیت قبول کر لی اور مکمل مسخر ہو گیا ہے۔ گاندھی اور دوسرے مفکرین مثلاً رام موہن رائے، ان تمام حضرات نے ممکن ہی نہیں رہنے دیا کہ ہندومت جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شکل میں انگریز کی آمد سے پہلے موجود تھا وہ دیسی شکل میں موجود رہے۔ ٹالسٹائی اور سوشلزم، نیشنل ازم اور پتا نہیں کیا کیا اس کے اندر تعمیر کر دیا۔ چنانچہ آج آپ جس چیز کو ہندومت کا احیاء کہتے ہیں وہ قوم پرستی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہندومت کو اسی طریقے سے ہندو علماء نے تباہ کیا جس طریقے سے صیہونیت نے یہودیت کو تباہ کیا۔ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے اسلامی عقائد اور اسلامی علوم کے اس پورے ورثے کو مغربی تہذیب سے محفوظ رکھا جو ہماری کمزوری کے دور میں ہمارے اوپر مسلط ہو سکتا تھا اور جس کے نتیجے میں برعظیم میں یہ تمام سرمایہ تباہ ہو سکتا تھا۔ اس عظیم ترین کارنامے کے لیے ہم علمائے کرام اور صوفیائے عظام کے جتنے زیادہ احسان مند ہوں وہ کم ہے۔ لیکن اس کے نتیجے میں ہم نے ابھی تک اس کام کی ابتدا نہیں کی جس کام کے نتیجے میں مغربی تہذیب اور مغربی علوم کی تسخیر اور اسلامی محاکمہ ممکن ہو۔ اس کام کی ابتدا کچھ علماء نے کی، ایسے علماء کا تذکرہ بھی کیا جا سکتا ہے جنہوں نے مغرب کو سنجیدگی سے لیا۔ جنہوں نے مغربی غلبے اور مغربی بالادستی کو ایک ایشو سمجھا اور اس کے مقابلے میں ایسے نوجوان تیار کرنے کی کوشش کی جو خود مغربی تعلیم یافتہ تھے کہ وہ ہی مغرب کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ ایسے علماء کا نام بھی لیا جا سکتا ہے جنہوں نے مغربی معاشرتی ایشو کی تسخیر کی، مثلاً پردے کے بارے میں اسلامی احکام کی تصدیق فرمائی، اسی تعقل کی بنیاد پر کہ جو مغربی تعلیم یافتہ حضرات کے اندر عام تھا اور سنت کی آئینی حیثیت کے بارے میں وہ پوزیشن بیان کی جو اسلامی پوزیشن ہے وغیرہ وغیرہ۔ کچھ ایسے علماء بھی ہمارے ہاں موجود رہے جنہوں نے مغرب کو کلیتاً رد کیا۔

امام غزالیؒ کے طریقے پر مغرب کا محاکمہ

اس وقت جس امر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ امام غزالیؒ کے طریقے پر مغربی علوم کے محاکمے کی تیاری شروع کی جائے اور امام غزالیؒ کا کام بالخصوص 'تہافۃ الفلاسفۃ' اور 'احیاءِ علومِ دین' یہ وہ کتابیں ہیں جن میں کفار کے فلاسفہ کی فکر کی تردید کی کوشش اسلامی علوم کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ اس وقت ہمارے لیے ضروری یہ ہے کہ ہم اسلامی علوم کی بنیاد کو اتنی وسعت دیں کہ ان کے اندر موجودہ دور کے مسائل کا احاطہ کیا جا سکے۔ جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ہم مغربی علوم کے اندر اسلامی روح پھونکنے کی کوشش کریں، اس کی گنجائش موجود نہیں۔ مثلاً سوشل سائنسز کو اسلامیانے کی کوششیں کی گئیں، اسلامی معاشیات کا موضوع قائم کرنے کی کوشش کی گئی، اسلامی سوشیالوجی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلسلے میں جو کام کیا گیا اس کے نتیجے میں جو علمیت پھیلی اس نے سرمایہ داری اور مغربی تہذیب کے بنیادی مفروضوں کو رد نہیں کیا جن کی بنیاد پر یہ سوشل سائنسز قائم ہیں۔ بلکہ ان مفروضات کی توجیہہ بیان کرنے کی کوشش کی جس کا دوسرا مطلب مغرب، مغربی فلسفے، مغربی افکار آدرشوں اور عقائد کی اسلامی نقشہ کشی کرنا تھا۔ اسلامک اکنامکس کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ اس بنیادی فلسفے کو رد نہیں کرتی جو سرمایہ داری کی روح ہے۔ جدید اکنامکس جو تصورِ انسان دیتی ہے اس تصور کو اسلامی معاشیات قبول کرتی ہے۔ کارپوریٹ Personalities کا وہ جواز پیش کرتی ہے۔ سود اور غیر سودی کاروبار میں ایک تعلق کی طرف دعوت دیتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بنیادی مفروضات اور اصول جس کی بنیاد پر معاشیات کا علم قائم ہوا وہ اسلامی معاشیات میں کبھی زیر بحث ہی نہیں آئے۔ آپ اسلامی معاشیات کے مفکرین کو پڑھ لیں ان کے ہاں ایڈم سمتھ کی Sentiments of Moral Philosophy کا سرے سے کوئی ادراک ہی موجود نہیں حالانکہ ایڈم سمتھ کی جو دوسری کتاب ہے Wealth of Nations وہ Theory of Moral Sentiments کا ہی نتیجہ ہے۔

مغربی معاشیات اور جدید اسلامی معاشیات میں یکسانیت

Theory of Moral Sentiments اور انسان کے اس تصور کو جو اس کتاب میں موجود ہے اسے من وعن قبول کر کے اسلامی معاشیات کی عمارت قائم کی گئی جس کے نتیجے میں وہ مغربی معاشیات ہی رہی آپ نے صرف اس کو اسلامی اور دینی لبادہ اوڑھا دیا۔ اسلامی معاشیات اور Neo Classical Economics میں کیا فرق ہے؟ دونوں ایک ہی قسم کے منہاج استعمال کرتے ہیں، ایک ہی قسم کے نتائج پر پہنچتے ہیں، فرق محض یہ ہے کہ اسلامی معاشیات سرمایہ دارانہ نظام کے اندر چند حدود اور قیود بیان کرتی ہے، اس کے علاوہ اسلامی معاشیات کی کوئی انفرادیت نہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ امام غزالیؒ کے طریقے کو عام کر کے ہم ان بنیادوں کو منہدم کر دیں جن بنیادوں پر وہ مفروضے قائم ہیں جو اس سائنسی تحقیق کو مروج کرتے ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ پہلے مغربی فلاسفہ کی تردید کریں، مغربی فلاسفہ کا اسلامی بنیادوں پر محاکمہ کریں، ان کی تردید کریں اور مغربی فلاسفہ کے Ontological تصورات کو رد کریں۔ جب تک ہم یہ نہیں کرتے، اس وقت تک ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے ان علوم کو فروغ اور وسعت نہیں دے سکتے جنہیں وسعت دے کر ہم موجودہ دور سے مختص مسائل سے اسلامی بنیادوں پر نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ ہمارا پہلا کام مغربی فلاسفہ کا (جن کے بارے میں نے دوسرے باب میں کچھ عرض کیا) کا اسلامی محاکمہ اسلامی الٰہیات اور اسلامی اصولوں کی بنیاد پر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ہمارا پہلا کام ہے۔

ایسا اجتہاد جو تقلید کو ممکن بنا سکے

اس کے بعد یہ بھی ضرورت ہے کہ ہم اپنے قدیم علوم بالخصوص فقہ، کلام اور اصول الدین میں وہ گنجائش پیدا کریں کہ جس کی بنیاد پر ہم ان مسائل کا حل اسلامی علوم ہی کی بنیاد پر تلاش کر لیں جو اس دور سے مخصوص ہیں۔ ہمیں علم کی کسی نئی ترکیب کی کوئی ضرورت نہیں، اور ہم اجتہاد، تقلیدی اجتہاد کی بنیاد پر کریں۔ ہم اس اجتہاد کی کوشش کریں جس کے نتیجے میں تقلید عام ہو، جس کے نتیجے میں اس دور میں سنت پر عمل ممکن اور آسان ہو۔ اجتہاد سے مراد تقلید کو عام کرنا اور سنت کی اتباع کو زیادہ سے زیادہ ممکن بنانا ہے۔ اس کے سوا ہماری نگاہ میں کچھ نہیں۔ یہ اجتہاد ضرورت ہے لیکن یہ اجتہاد مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس اجتہاد کے نتیجے میں اتباعِ سنت اور تصدیقِ اجماعِ امت ہو۔ تصدیقِ اجماعِ امت اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہمارا یہ دعویٰ کہ اسلامی تاریخ عالمگیر ہے، اسلامی تاریخ حادثاتی نہیں، انبیاء کی تعلیم اور تہذیب ہر دور اور ہر حال میں فوقیت رکھتی ہے اور یونیورسل لازمہ ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ مہمل ہوگا اگر ہم اجماعِ امت سے رجوع کر لیں چنانچہ جس اجتہاد کی ہمیں ضرورت ہے وہ ایسا اجتہاد ہے جو دائرہ علومِ اسلامی کے ماتحت ہو، ایسا اجتہاد جو تقلید کو ممکن بنا سکے، ان اعتقادات کے فروغ کے لیے اجتہادات کی ضرورت ہے جس کے نتیجے میں اجماعِ امت مستحکم ہو، جس کے نتیجے میں اجماعِ امت کی بنیاد پر ہم اس دور میں اتباعِ سنت اور تقلید اولیاء کو ممکن بنا سکیں۔ پہلا کام یہ ہے کہ مغربی مفکرین کے الٰہیات کے مفروضوں کا اسلامی محاکمہ کریں۔ دوسرا کام اسلامی علوم میں بالخصوص فقہ، کلام اور اصول الدین میں وہ توسیع پیدا کریں جو ہمارے لیے تقلیدی اجتہاد، اجماعِ امت کی بنیاد پر اتباعِ سنت اور اتباعِ اولیاء اللہ ممکن بنا سکے اور یہی بات اسلامی تاریخ کی عالمگیریت کے مترادف ہے۔ اس کے بعد معاشرتی سطح پر ہمیں جس چیز کی کوشش کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم 'راسخون فی العلم' کی قیادت کو معاشرے کی سطح پر قائم کرنے کی کوشش کریں اور ہمارا بنیادی ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس کے اردگرد اسلامی ادارتی صف بندی ممکن ہو وہ مسجد ہے۔ جس بنیادی معاشرتی ادارے کی قوت میں اضافہ علماء کی قیادت کے قیام کے لیے لازم ہے وہ ادارہ مسجد ہے اور مسجد کے ادارے کے فروغ کے لیے دو بنیادی جہتیں ہیں۔

متوازی غیر سودی نظام معیشت

مسجد کو بنیاد بنا کر حلال کاروبار کو فروغ دینا ہماری بہت بڑی ضرورت ہے۔ جو لوگ اسلامی معیشت کی بات کرتے ہیں وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی معیشت تو موجود ہے۔ اسلامی معیشت کو قائم کرنے کے لیے کسی ریاستی عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ محتاط ترین تخمینے کے مطابق 40% کاروبار اس ملک میں ایسا ہو رہا ہے جس میں نہ سود شامل ہے اور نہ سٹہ۔ یہی اسلامی کاروبار ہے۔۔۔ حلال اور اسلامی کاروبار ہے۔ 40% معیشت اس وقت حلال اور اسلامی معیشت ہے۔ اس ملک میں اسلامی معیشت موجود ہے، اس معیشت کی تنظیم اور ترقی کا بیڑا کسی نے نہیں اٹھایا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حلال کاروبار قائم رہتا ہے لیکن فروغ نہیں پاتا۔ حلال کاروبار بڑا کاروبار نہیں ہو پاتا اور حلال کاروبار بڑا کاروبار اس لیے نہیں ہوتا کہ بڑا کاروبار ہونے کے لیے لازم ہے کہ سود کے بازار یا سٹے کے بازار سے اس کا تعلق ہو۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں سود اور سٹے کے بازار سے تعلق پیدا کیے بغیر ایک چھوٹا کاروبار بڑا کاروبار نہیں بن سکتا۔ یہ علمائے کرام اور اسلامی محققین، دانشوروں، فقہاء اور مفکرین کا فرض ہے کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کریں جو چھوٹے کاروبار کی اس صلاحیت کو بروئے کار لائے کہ وہ سود اور سٹے کی شمولیت کے بغیر وسعت حاصل کرے اور یہ کوئی ایسا اچنبھے کا کام نہیں۔ ہمیں ایک متوازی پبلک سیکٹر کی ضرورت ہے، جو غیر سرمایہ دارانہ پبلک سیکٹر ہو۔ ایک ایسا پبلک سیکٹر جس کا کام یہ ہو کہ وہ ان وسائل کو، جو ہمارا یہ چھوٹا کاروبار پیدا کر رہا ہے، ان وسائل کو شراکت کی بنیاد پر اس طریقے سے منظم اور تقسیم کریں کہ چھوٹا کاروباری اپنے کاروبار کو بڑے کاروبار میں بدلنے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔

معاشرے پر مسجد کی حکومت

یہ کاروبار جنوبی ہند میں، کسی نہ کسی حد تک کامیابی کے ساتھ، لبنان میں اور دیگر کئی ممالک کی میں مثال دے سکتا ہوں، ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری یہ ہے کہ ہم مسجد کو بنیاد بنا کر غیر سودی بنیادوں پر پیسہ جمع کرنے اور پیسے کو استعمال کرنے کا ایک نظم قائم کریں جس کا مقصد سرمائے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑھوتری نہ ہو بلکہ اس کا مقصد پاک دولت اور اسلامی قوتوں کی قوت میں اضافہ ہو۔ مسجد کو ایک معاشی ادارہ اور ایک ایسا ادارہ بنانا جس کی بنیاد پر وہ حلال کاروبار جو اس وقت اس ملک میں ہو رہا ہے منظم اور مروج ہو سکے۔۔۔ یہ ایک اہم چیلنج ہے۔ بازار میں مسجد کی حتمی حیثیت کو قائم کرنا اور محلے میں مسجد کی فیصلہ کن حیثیت کو قائم کرنا فروغ اسلام کے لیے ضروری ہے۔ مسجد کے دو بنیادی کردار ہیں ایک معاشی کاروبار کو مروج و مرتب کرنا۔ دوسرا محلے کی سطح کی انتظامیہ اور عدلیہ کو اپنے ہاتھ میں لے لینا۔ بنیادی طور پر ہم اپنے محلوں اور برادریوں کو مسجد کے انتظام میں دینا چاہتے ہیں۔ اکیلی جائز مقامی حکومت، جس کے ہم قائل ہیں مسجد کی حکومت ہے۔ ہم اپنے محلوں اور اپنے بازاروں کو مسجد کے تسلط میں دینا چاہتے ہیں۔ انہی معنوں میں تمام قوت مسجد کے ہاتھ میں ہو جس کی بنیاد پر لوگوں کو منظم ہونا چاہیے۔ مقصد یہ ہے کہ تمام قوت مسجد میں مرتکز ہو اور مسجد کی بالادستی محلے کی اور بازار کی سطح پر قائم ہو۔ یہ کوئی اجنبی بات نہیں ہماری سابقہ اور موجودہ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مسجد کی یہ بالادستی بازار کے اوپر، برادری کے اوپر اور محلے کے اوپر قائم کی جا سکتی ہے۔ جس کے نتیجے میں دینی اخلاقیات، دینی روایات اور دینی شعائر محفوظ رہیں گے اور ہم سرمایہ داری کے امراض سے بھی بچ جائیں گے۔ لیکن ضرورت اس میں یہ ہے کہ علماء اپنا منصب پہچانیں اور علماء قیادت کی ذمہ داری کو قبول فرمائیں وہ قیادت رونما ہو جو محلے اور بازار کی سطح پر اسلام کو بحیثیت ایک قوت کے منظم کرے اور اس طریقے سے منظم کرے کہ اخلاق حمیدہ بازار میں بھی، محلے میں بھی اور برادریوں کی زندگی میں بھی فروغ پائیں۔۔۔ یہ معاشرتی حکمت عملی ہے۔

سیاسی سطح پر بھی نہایت تدبر، حکمت، تدبیر اور عزم نو کی ضرورت ہے۔ عالمی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا ہر قدم پورے شعور کے ساتھ اُٹھے، قومی، علاقائی، عالمی حالات، سرمایہ داری اور اس کی حکمت عملی پر ہماری نظر ہو۔ غیر ضروری مباحث و معاملات میں الجھنے کے بجائے نہایت مدبرانہ اور مستقل نوعیت کی حکمت عملی اختیار کی جائے۔ جذباتی کشمکش کے بجائے ٹھوس علمی بنیادوں پر کارواں کو تیز قدم کیا جائے اور ایسی سیاست سے گریز کیا جائے جس کے نتیجے میں مغربی آدرش عام ہوں اور لوگوں کے تزکیہ نفس و تطہیر قلب کا خاص اہتمام کیا جائے۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

مغرب کا جو معاشی نظام اس وقت پوری دنیا میں رائج ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام ہے جس نظام میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، اس نظام کا مقصد زیادہ سے زیادہ سرمایہ پیدا کرنا ہے۔

یہ نظام چند کمپنیوں کے لیے سرمایہ پیدا کرتا ہے اس نظام کو سمجھنے کے لیے دنیا کی ہر بڑی زبان میں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اُردو زبان میں بہت کم کتابیں اس نظام کی تفہیم کے لیے موجود ہیں اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس کتاب کی اشاعت کی جارہی ہے۔

کتاب محل
دربار مارکیٹ لاہور
(0321-8836932 – 0300-4827500)